فضائل اعمال پر اعتراضات کے

جوابات

قرآن وحدیث کی روشنی میں

تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب

الحاج الحافظ القاری مولانا عبدالکریم مفتاحی خطیب برار مدظلہم العالی

باسمہٖ وبحمدہٖ

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین

فضائل اعمال پر اعتراضات کے



قرآن وحدیث کی روشنی میں

مؤلفہ:

الحاج الحافظ القاری مولانا عبدالکریم مفتاحی خطیب برار مدظلہم العالی

انعامدار پورہ اکولہ

تابش مہدی کی کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" کا علمی و تحقیقی جائزہ

انتساب

شیخ المشائخ قطب الاقطاب سید المحدثین

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ

کے نام



جن کے ظاہری و باطنی علوم سے پوری دنیا نے استفادہ کیا۔

احقر

عبدالکریم مفتاحی عفی عنہ

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات

کتاب ھذا حضراتِ اکابر کی نظر میں

جب یہ کتاب شائع ہوئی اور علمائے کرام کی خدمت میں بھیجی گئی تو ان حضرات نے اس کا مطالعہ فرماکر کتاب کے بارے میں اپنی مبارک آراء گرامی ناموں کے ذریعہ ناچیز مؤلف کو تحریر فرمائیں ان گرامی ناموں سے معلوم ہوا کہ تمام ہی علماء نے بندہ کی اس تصنیف پر تحسین فرماتے ہوئے اس کو ایک علمی و تحقیقی کتاب قرار دیا ہے

بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت مولانا حافظ قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم

جامعہ عربیہ ہتھورا (ضلع باندہ) (یوپی)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم : امّا بعد - ہر زمانے میں حق اور اہل حق کی مخالفت ہوتی رہی ہے جب انبیاء علیہم السلام محفوظ نہ رہے تو پھر دوسرے حضرات کس طرح بچ سکتے ہیں تبلیغی نصاب جسکو اللہ کے مقبول بندوں کی فرمائش پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے لکھی ہے جن کا علم زہد و تقویٰ انابت، دیانت عرب و عجم میں مسلّم ہے جن کے اخلاص کی برکت سے تبلیغی نصاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اسکا اندازہ اس سے لگایئے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں اس کی اشاعت ہوتی ہے اور تقریباً ہر زبان میں اسکا ترجمہ ہورہا ہے لیکن ایک شخص تابش مہدی نامی نے قلم اٹھایا اور بغیر سوچے اس کتاب پر اعتراضات کی ایک فہرست تیار کردی معلوم نہیں کس نشہ میں لکھی ہے یہ بھی تمیز نہ ہوئی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں جگہ جگہ احادیث کا انکار کیا ہے قرآن و حدیث کی بجائے دین کا معیار اپنی عقل کو قرار دیا ہے عقل کی رسائی نہ ہوسکی تو صاف انکار کر دیا ایک جگہ لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تبلیغی جماعت اور خانقاہی تصوف مسلمانوں کو یہودی جوگی اور سنیاسی بنانے کی اسکیم ہے۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ صحابۂ کرام اور اولیائے عظام نے اب تک جو محنت کی وہ سب جوگی اور سنیاسی بنانے کی اسکیم تھی اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس وقت کروڑوں کی تعداد میں مسلمان نہ ہوتے سب ہی جوگی اور سنیاسی ہوتے اس قسم کے خرافات سے کتاب بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، مولانا عبد الکریم صاحب مفتاحی مدظلہ العالی کو کہ انہوں نے تابش مہدی کے اعتراضات کے مدلل جوابات لکھ کر امت کو بڑی تلبیس سے بچایا ہے۔ اگر تابش صاحب کے اندر کچھ بھی دیانت اور خدا کا خوف ہے تو ان کو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے حق کی حمایت میں قلم اٹھانا چاہیے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(از - مولانا قاری) احقر صدیق احمد عفی عنہ - خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ یوپی (۲۵ رجب ۱۴۰۴ھ)

(۲) ولیِ کامل ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم

آپ کی کتاب سے بے حد مسرت ہوئی، جوابات میں بڑی متانت اور بھرپور اخلاق سے کام لیا گیا۔ مجھے آپ کی کتاب میں یہ بات بے حد پسند آئی کہ آپ نے ان کے اعتراضات کو دھوکے سے تعبیر کیا ہے جو میرے خیال میں یہ جماعت منہم میں سے ہے اور میرے اس خیال کی تائید ایک واقعہ سے ہو رہی ہے وہ یہ کہ میرے ایک عالم دوست جنہوں نے حضرت شیخ الاسلام (مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ) سے دارالعلوم دیوبند میں حدیث پڑھی ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا مودودی کی باتیں اور ان کے مضامین بڑے اچھے معلوم ہوتے ہیں، تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے برجستہ فرمایا ارے تو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا۔؟ میں نے عرض کیا، کرتا ہوں۔ فرمایا یہ آیت نہیں پڑھی۔ ومن الناس مَن یُّعجِبُکَ قَولُهٗ فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیَا وَیُشهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِی قَلبِهٖ الآیۃ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے، حضرت شیخ الاسلام کے اس تنبیہ سے بات خوب سمجھ میں آگئی کہ یہ جماعت وہی جماعت ہے جس کے بارے میں یخٰدعون اللّٰه والذین اٰمنوا بھی کہا گیا (وہ اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں) اس لئے ان کی باتوں کو دھوکہ ہی سے تعبیر کرنا موزوں اور مناسب ہے۔

فجزاکم اللّٰه خیرا لجزاء ۲/۱۱/۱۴۰۳ھ

(۳) ابوالمآثر سید المحدثین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

میں نے آپ کی کتاب کہیں جگہ سے پڑھوا کر سنی ماشاء اللہ آپ نے تابش مہدی کا بہت معقول جواب دیا ہے اور تبلیغی نصاب کی جانب سے نہایت خوبی سے مدافعت کی ہے اللہ تعالیٰ

آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

یکم ذی القعدہ ۱۴۰۴ھ دستخط حضرت مولانا حبیب الرحمٰن دامت برکاتہم

(۴) مفتی اعظم گجرات حضرت مولانا حافظ وقاری سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری

دامت برکاتہم مؤلف فتاویٰ رحیمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ حامداً ومصلیا ومسلماہ امابعد! تابش مہدی کی تنقیدی کتاب تبلیغی نصاب ایک مطالعہ) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت، تبلیغی نصاب اور خانقاہی تصوف مسلمانوں کو یہودی جوگی اور سنیاسی بنانے کی اسکیم ہے ان ہفوات کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں تھی مگر ہمارے نوجوان عالم مولانا عبدالکریم صاحب مفتاحی سلّمہٗ، خطیب جامع مسجد اکولہ نے جواب تیار کرلیا ہے ایک دو صفحات سننے کا موقع ملا ماشاء اللہ' جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں پوری بصیرت کے ساتھ لکھا ہے طرز بیان بہت عمدہ اور نہایت مفید ہے، حق تعالےٰ قبول فرمائے اور لوگوں کو شکوک و شبہات اور تلبیس سے محفوظ رکھے (آمین)

نقط
دستخط حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم
۲۴ر رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

(۵) فخر ملّت حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم مفتی کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی

آپ نے خوب کیا کہ اس مغالطہ انگیز وفریب آمیز کتاب کی حقیقت واضح کردی اس سے انشاء اللہ بہت سے افراد کو نہ صرف تبلیغی نصاب اور علمائے دیوبند کی بلند مرتبہ حیثیت کا علم ہوگا بلکہ جماعت اسلامی کا یہ رُخ بھی ظاہر ہوجائیگا جو اپنا پروپیگنڈہ دوسروں کی آبرو ریزی اور قلم کے بے احتیاط استعمال میں کمیونسٹوں سے بہت مشابہ ہے۔

ہر چند کہ تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کی تقسیم و اشاعت میں جماعت اسلامی کے اشاعتی اداروں اور ذیلی شاخوں نے سرگرم حصہ لیا ہے اسے ان کی ضرورت سمجھئے یا افتادہ طبع۔

آپ کی اس قلمی خدمت کے تمام منصف مزاج اصحاب ممنون ہوں گے بالخصوص علمائے دیوبند کے متوسلین تبلیغی جماعت سے وابستہ اہل مطالعہ حضرات اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے وابستگان و منتسبین۔ بہت ہی دعا گو رہینگے حق تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسکو قبول حق کیلئے ایک واسطے اور رہنما کے طور پر قبول فرمائے آمین۔

(دستخط) مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم یکم محرم ۱۴۰۵ھ

حضرت مولانا محمد جواد القاسمی سندیلوی دامت برکاتہم مقیم حال جگتیال

ضلع کریم نگر۔ آندھرا پردیش

آنجناب کی تازہ تصنیف تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب ...... بالاستیعاب بنظر غائر پڑھا۔ قند مکرر کا ذائقہ محسوس کیا۔ روح و جان قلب و جگر اور تمام حواس باطنہ و ظاہرہ کو جو سکون و راحت انبساط و نشاط سرور و مسرت میسر ہوئی وہ اندرون کی کیفیات و تأثرات صفحۂ قرطاس پر نہیں تحریر کر سکتے۔ درحقیقت آپ نے جو انداز تحریر اسلوب بیان و اصول اور طریقۂ نگارش اختیار کیا ہے۔ وہ انشاء پردازی و مضمون نگاری کے اسالیب و اصول سے مکمل طور پر ہم آہنگ اور انتہائی اثر انگیز و مسحور کن اور بیحد پسندیدہ ہے کیونکہ اکثر جوابات ہیں جو کتابیں منصۂ شہود پر آتی ہیں بیشتر مواد اور لامتناہی براہین و دلائل کے باوجود مقبول عام و خاص نہیں ہوتیں۔ جسمیں سقم اسلوب نگارش و تحریر کا ہوتا ہے مگر آنجناب کے قلم سیال کو داد دینا چاہیئے کہ اسکے طرق تحریر دا سالیب کی بھرپور رعایت کے ساتھ ساتھ معترض نام نہاد تابش مہدی کے بے سند اشکالات اور بے سروپا اعتراضات کے مدلل جوابات دیتے ہوئے دین اسلام

کی کما حقہٗ ترجمانی کی ہے۔ ویسے تو اس پُر فتن دَور اور پُرآشوب ماحول میں نو بنو کتنے و فرقے سر اٹھا رہے ہیں اور ماضی میں بھی اٹھایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر دور میں کچھ ایسے مردِ مُجاہد پیدا فرماتے رہے ہیں جو ان فرقوں کی قلعی کھول کر عوام کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ان کا نام تک صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ آج ہمارے سامنے فتنۂ مودودیت ایک سنگین فتنہ ہے۔ جو اسلام کا نام ٹیٹل لگا کر دیمک کی طرح اسلام کو تباہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مرحومہ کو اس کے پھندے سے بچائے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ ــــ دستخط (مولانا) مُحَمَّد جَوَّاد الْقَاسِمِی سندیلوی





تقدمہ

حق و باطل کی جنگ کوئی نئی چیز نہیں ہے چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا کوئی دور اس سے خالی نہیں رہا ہر زمانے میں باطل برساتی نالوں کی طرح پورے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آتا رہا حق اور اہل حق پر بڑے عجیب و غریب بے بنیاد و خلاف واقعہ الزام لگائے گئے۔ نبی اکرم سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت تک بھی باطل کی نکتہ چینی سے محفوظ نہیں رہی۔ آپ کو ساحر، مجنون و شاعر جیسے نازیبا خطابات عطا کئے گئے۔

حق و باطل کی جنگ میں ہر زمانہ میں حق غالب اور باطل مغلوب ہوتا رہا۔ خیر القرون بھی جب باطل کی نکتہ چینیوں اور فتنہ پردازیوں سے محفوظ نہ رہ سکا تو پندرھویں صدی ہجری، جو دینی فتنوں اور مغالطوں انگیزیوں کی ہی صدی ہے۔ باطل کی شرارتوں سے کیونکر بچ سکتی تھی اس زمانے کے تمام فتنوں میں بعض اعتبارات سے جماعت اسلامی کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے اس جماعت کا فکری لُبِ لباب مختصر و جامع الفاظ میں یہ ہے کہ "علماء کا دین باطل ہے کیونکہ یہ لوگ دین کی روح سے قطعی ناواقف ہیں"۔ جماعتِ اسلامی کا چکر بس اسی فکری محور کے گرد گھومتا ہے یہ انداز فکر عقل و نقل ہر دو اعتبار سے باطل اور نہایت غلط ہونے کے باوجود جماعت اسلامی والے اسی کو گلے لگائے ہوئے ہیں۔

اسی نظریہ اور فکر کی روشنی میں جماعتِ اسلامی کے ایک پُرجوش رُکن تابش مہدی نے ایک کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" لکھی تھی۔ جسمیں انہوں نے حضرت مولانا محمد زکریاؒ شیخ الحدیث

مظاہر علوم سہارنپور ان کی مقبول خواص و عوام کتب فضائل اور علمائے دیوبند پر بڑے جاہلانہ، سوقیانہ بلکہ احمقانہ اعتراضات کرکے اہلِ علم سے اپنی جہالت کا لوہا منوایا ہے۔ اسلام کا دستور اساسی قرآن وحدیث ہے۔ اس دستور اساسی سے صراحت یا اشارہ وکنایہ سے جو بات ثابت ہوگی وہی "اسلام" اور حق ہوگی۔ اور جو بات نظریہ یا فکر اس سے نہ صراحت سے ثابت ہو اور نہ اشارہ سے وہ غیر اسلام اور باطل ہے۔ اسلام کو باطل افکار اور غلط نظریات سے بچانے کے لئے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو تنقید کا حق دیا ہے۔ تنقید ایک اچھی، بلکہ ضروری چیز ہے۔ لیکن اسلام یہ حق صرف اہلِ علم ہی کو دیتا ہے۔ ہر کس وناکس کو نہیں۔ دین ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی علم یا کوئی فن ایسا نہیں ہے جسمیں اس علم وفن سے ناواقفوں کو تنقید کی اجازت ہو۔ یہ صرف جماعتِ اسلامی کی خصوصیت وامتیاز ہے کہ اس نے اپنے ہر رکن، بلکہ ہر متفق تک کو حقِ تنقید دے رکھا ہے۔ اس جماعت کا ایک ڈاکٹر، وکیل، تاجر، ملازم، کاشتکار، سائنس، جغرافیہ تاریخ وغیرہ کا طالب علم اور ان کے علاوہ بھی جو چاہے اور جیسی چاہے اکابر علماء، محدثین عظام پر تنقید کرسکتا ہے۔ جس شخص نے فنِ طب اُس کے اساتذہ وماہرین سے نہیں پڑھا۔ جو قانون کا علم نہیں رکھتا۔ یا جسے فنِ انجنیئری میں دسترس نہیں وہ کسی ماہر فن ڈاکٹر، وکیل یا انجنیئر پر تنقید کرنے لگے، تو ہر شخص اسکو جاہل واحمق کا خطاب دیگا۔ لیکن دین کے معاملہ میں یہ واضح اصول معلوم نہیں کیوں بھلادیا جاتا ہے۔ دینی معاملات میں ایک جاہل بھی اکابر اہل علم کے خلاف زہر اُگلتا ہے تو بعض سیدھے سادھے لوگ اسکی اس خرافات کو بڑی وقعت دینے لگتے ہیں۔ یہی حال تابش کی کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" کا بھی ہوا۔ اہلِ علم نے تو اس کو ایک جاہلانہ بازاری کتاب سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ لیکن دین کا علم نہ رکھنے والوں نے خصوصًا جماعتِ اسلامی نے اس "جہالت کے پلندہ" کی خوب پذیرائی کی اور کثیر تعداد میں خرید کر مفت، تقسیم کیا۔ اس طرح گویا بزعم خود اقامتِ دین کا فریضہ ادا کیا گیا۔

رفیق محترم جناب مولانا قاری عبدالکریم صاحب خطیب جامع مسجد اکولہ نے تابش کی "جہالت کے اس پلندہ" سے عام مسلمانوں کے مغالطہ میں پڑجانے کے خطرہ کو محسوس کیا۔ اور اس کا رد لکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ مولانا میرے بہترین دوستوں میں سے ہیں میں ان کی انتہائی مصروفیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اپنی مصروفیات میں سے تابش کی خرافات کا جواب لکھنے کے لیے وقت نکال سکیں گے۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات میں سے بیشتر حصہ نکال کر کتاب کا مسودہ تیار کرلیا۔ اور بہت جلد اسکو شائع بھی کردیا۔ موصوف نے اس کی خاطر رات و دن ایک کردیا تھا۔ اپنا آرام تک قربان کیا۔ پھر اکابر کی خدمت میں دور دراز کا سفر کرکے پہنچے اور مسودہ پر اصلاح کروائی یہ سب قربانیاں حق کو واضح اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے کیں۔ مولانا ایک حق گو اور بے باک عالم دین ہیں۔ وہ حق بات صاف کھلے الفاظ میں کہنے کے عادی ہیں۔ اس معاملے میں وہ مصلحت اندیشی کے قائل نہیں۔ مداہنت ان سے کوسوں دور ہے۔ تابش مہدی کی خرافات کا جواب لکھتے وقت بھی ان کا یہ خصوصی وصف نمایاں رہا ہے۔ موصوف نے اپنی کتاب میں تابش کی تمام ہفوات کا جواب نہایت سنجیدگی و متانت کے ساتھ خالص علمی انداز میں قرآن و حدیث کی روشنی میں دیا ہے، دلائل نہایت مضبوط و ناقابل انکار ہیں کوئی بات بلا حوالہ نقل نہیں کی۔ دینی کتب میں عام طور پر ادبیت و اسلوب تحریر کا خیال نہیں رکھا جاتا لیکن مولانا کی کتاب میں اردو ادب کی چاشنی بھی وافر مقدار میں ہے تحریر کی اس شگفتگی نے کتاب کو چار چاند لگادیئے ہیں۔ بظاہر یہ کتاب ایک وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، لیکن اس میں اتنا مفید مواد جمع کردیا ہے کہ اس کو وقتی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ مولانا کی یہ تالیف صرف تابش کے ہذیانات کا جواب نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے خدوخال بھی اس سے پوری طرح واضح ہوجاتے ہیں اور جب تک جماعت اسلامی کا وجود رہے گا اس کتاب سے برابر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب مولانا کی کتاب شائع ہوکر منظر عام پر آئی تھی تو علمائے کرام اور رسائل نے اس پر اپنے اپنے مذاق کے مطابق اظہار رائے اور تبصرے کئے تھے بعض حضرات نے تحریر فرمایا تھا کہ تابش کے خرافات کا جواب لکھنے کی مطلق ضرورت نہ تھی لیکن جیسا کہ سطور بالا میں لکھا جاچکا کہ مولانا عبدالکریم مفتاحی صاحب نے عام مسلمانوں کو تابش کی مغالطہ انگیزیوں سے بچانے کے دینی جذبہ سے مغلوب ہوکر اس کا رد لکھنا ضروری سمجھا اسی لئے اکثر حضرات نے مولانا کی اس خدمت کو بہت سراہا اور اس کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا جن حضرات نے اس کتاب کی ضرورت کا انکار کیا غالبًا انہوں نے تابش مہدی کی خرافات کی سمیت کو محسوس نہیں کیا۔

موصوف کی کتاب طبع ہوکر منظر عام پر آنے کے بعد جماعت اسلامی کی طرف سے بعض گمنام خطوط مولانا کو دستیاب ہوئے تھے جن میں کتاب کی کسی بات پر تو گرفت نہیں کی گئی تھی لیکن ہاں اُن میں غیض وغضب کا خوب اظہار کیا گیا تھا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم العالی نے جب اپنی سرگذشت شائع کی تھی، اسوقت بھی جماعت اسلامی کی طرف سے بیشمار عتاب نامے انہیں ملے تھے۔ جماعت اسلامی اگر غیض وغضب کرنے کی بجائے علماء کی تنقیدوں پر سنجیدگی سے توجہ دے تو امید ہے کہ اس کی اصلاح ہوجائے۔

بہر حال تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب مولانا عبدالکریم صاحب کی علمی صلاحیتوں کا بہترین نمونہ ہے مولانا نے تابش مہدی کے اعتراضات کو دھوکوں سے تعبیر کیا ہے جس کو بھی تابش کی ایک مطالعہ دیکھنے کا موقع ملا ہوگا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ان اعتراضات کے لئے " دھوکے سے بہتر کوئی عنوان نہیں) ہوسکتا ، خدا کرے کہ عوام رفیق محترم مولانا عبدالکریم صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ سنجیدگی سے کریں تاکہ تابش اور جماعت اسلامی کے فتنے سے محفوظ رہ سکیں۔

مولانا " قاضی سعیدالدین تھالنسیری مظاہری

خادم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم ، اکلکوا ۔ ضلع دھولیہ مہاراشٹر

حرفِ اوّل

از۔ مولفِ کتاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔

اَمَّا بَعْد!

آسمان ایک بلند و بالا چیز ہے کوئی اس کی بلندی اور اپنی پستی کو دیکھ کر احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائے اور جھنجھلاہٹ میں آسمان پر تھوکنا چاہئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ وہ تھوک خود تھوکنے والے کے منہ پر آپڑے گا۔ آسمان کی وسعت و بلندی میں کچھ بھی فرق نہیں آئے گا۔ بالکل یہی حال اکابر پر غیر علمی تنقید.... اور ان کے ساتھ گستاخی کرنے کا ہوتا ہے۔

عصرِ حاضر میں تنقید کے خوبصورت نام پر اکابرِامت کی تنقیص، بلکہ ان پر سب وشتم کی وبا پھیلتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ انبیاءؑ وصحابہؓ کے دامانِ تقدس پر بھی حملے کئے جانے لگے ہیں۔ امت کا ایک طبقہ اس کام کو گویا اقامتِ دین کے لئے لازمی چیز سمجھنے لگا ہے۔

اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک غیر معروف صاحب "تابش مہدی" بھی ہیں۔ ان کی ایک کتاب "تبلیغی نصاب۔ ایک مطالعہ" ۔ سامنے آئی ہے۔ اس کتاب کے آج تک تین ایڈیشن جدید اضافوں کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ راقم سطور نے پہلے اور تیسرے ایڈیشن کو اس خیال سے بغور پڑھا ہے کہ شاید مصنّف نے علمی و تحقیقی باتیں اس میں لکھی ہونگی لیکن کتاب کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے بعد بڑی مایوسی ہوئی، کیونکہ کتاب الزام تراشیوں اور فریب کاریوں کے مجموعہ کے علاوہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ مصنّف کا مبلغ علم بہت سطحی معلوم

ہوتا ہے خصوصاً علم حدیث سے تو کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ انھوں نے جابجا احادیث مبارکہ کو اور پورے دین کو رافضیوں کی طرح عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہا اور جو حدیث بھی ان کو اپنی عقل کے خلاف نظر آئی اس کو بڑی دیدہ دری کے ساتھ باطل ضعیف یا موضوع قرار دیتے گئے۔ حالانکہ دین کو اور خصوصی طور پر احادیث پاک کو عقل کے تابع بنا کر سوچنا ہی اہل سنت والجماعت کے نزدیک غلط و باطل ہے۔

مصنف نے متعدد جگہ حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب قدس سرہٗ کی شہرۂ آفاق کتب فضائل پر جرح کرتے ہوئے دلیل کا مطالبہ کیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے پیش کردہ حوالوں کو غیر معتبر قرار دیدیا۔ لیکن اپنی پیش کردہ باتوں پر اکثر جگہ کسی بھی قسم کے حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں کی حالانکہ بزعم خود انھوں نے یہ کتاب خوشنودی مولیٰ اور اللہ کے حضور میں جوابدہی کے احساس اور خیر خواہی کے جذبہ سے لکھی تھی تو علمی دیانت یہ تھی کہ اول حضرت شیخؒ کے حوالوں کا غیر معتبر ہونا ثابت کرتے اور پھر حضرت شیخؒ کے حوالوں سے قوی تر حوالے دیکر اپنے دعویٰ کا اثبات کرتے۔ لیکن پوری کتاب پڑھنے کے بعد عموماً قاری کا ذہن یہ تاثر لیتا ہے کہ محترم مصنف نے اسمیں جو کچھ لکھا ہے وہ حضرت شیخؒ اور جماعت تبلیغ کی مخاصمت کے جذبہ سے مغلوب ہوکر، کسی دوسری جماعت یا پارٹی کی طرف سے دادِ تحسین حاصل کرنے کے خیال سے اور آخرت کی جوابدہی کے تصور تک سے صرف نظر کرتے ہوئے لکھا ہے' ایک معروف مفکرِ اسلام کے الفاظ میں مصنف کی اس کاوشِ قلم کو "وسوسہ اندازی کی کوشش" کا نام دینا غلط نہ ہوگا۔

حضرت شیخؒ کی زندگی ہی میں بہت پہلے ایک کتاب "کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ تابش صاحب نے جو اعتراضات اپنی تازہ تصنیف میں کئے ہیں انمیں اکثر وہی ہیں جنکے مدلل جوابات مذکورۂ بالا کتاب میں دیئے جاچکے ہیں۔ اس کے باوجود

جناب تابش کا ان اعتراضات کو منظرِ عام پر لانے کا مقصد جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، وہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے غالبًا اس بات پر غور کیا کہ مولانا عامر عثمانی مرحوم نے ماہنامہ تجلّی میں اس قسم کی تنقیدیں کرکے عوام میں خود بھی کافی شہرت حاصل کرلی تھی اور تجلّی بھی کافی مقبول ہوگیا تھا۔ اس لئے تابش صاحب نے یہی ترکیب اپنے رسالہ الایمان کو فروغ دینے کے لئے اختیار فرمائی ہے۔

"تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" کا اجمالی جائزہ

اس وقت کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے اسکی ضخامت ۱۳۶ صفحات کی ہے جبکہ سابق ایڈیشن صرف ۱۱۲ صفحات کے تھے گویا تیسرے ایڈیشن میں ۲۴ صفحات کا اضافہ ہوا ہے۔ سابق ایڈیشنوں میں صرف تبلیغی نصاب جلد اول ہی پر بحث کی گئی تھی۔ اب تیسرے ایڈیشن میں جلد ثانی بھی زیرِ بحث آگئی ہے، کتاب "سخنہائے گفتنی" کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے تحت اوّل مصنف نے اپنی کتاب کی مسلسل اشاعت پر خوشی کا اظہار کرکے تعریف ونکتہ چینی میں آئے ہوئے خطوط کا تذکرہ کیا ہے اسی عنوان کے تحت سورہ حجرات کی آیت "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم" کا ترجمہ فاضل مصنف نے (زیادہ گمان کرنا آدمی کو گناہ میں ملوث کردیتا ہے) کیا ہے۔ (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ص ۸)

اسکو چاہے ترجمہ کا نام دیں یا ترجمانی کا، لیکن یہ لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے غلط ہے۔ قرآن تو کہتا ہے کہ " بعض گمان گناہ ہے"۔ لیکن فاضل مترجم نے "بَعْضَ الظَّنِّ" کا ترجمہ زیادہ گمان اور "اِثْم" کا ترجمہ گناہ میں ملوث کردیتا ہے سے کیا ہے گویا اس ترجمہ کی رد سے زیادہ یا بعض گمان کو بذاتِ خود گناہ نہیں ہیں، ہاں ان کے ذریعے گناہ میں ملوث ہوجانے کا خطرہ

ضرور ہے۔ قرآن تو بعض گمان کو بذاتِ خود گناہ قرار دیتا ہے لیکن مصنف کا ترجمہ نفس گناہ کی نفی کرتے ہوئے گناہ میں ملوث ہو جانے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ اس غلط ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مصنف کو عربی پر عبور حاصل نہیں ہے یا پھر وہ اتنے آزاد و بے باک ہیں کہ کتاب اللہ تک کے مفہوم کو بدلنے سے نہیں چوکتے۔ مولانا مودودی مرحوم سورہ حجرات کی مذکورہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ الآیۃ

کتاب کا دوسرا عنوان "پیش لفظ" ہے۔ جو کسی ڈاکٹر سیّد انور علی" نام کے بزرگوار نے تحریر فرمایا ہے۔ اس عنوان کے تحت اوّل تو ڈاکٹر صاحب نے تصوّف کے خلاف دل کا بخار نکالا ہے پھر تابش صاحب کی کتاب کے بارے میں قصیدہ خوانی ہے۔ اور اسکے بعد تبلیغی نصاب پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی شدید ضرورت کا اظہار فرما کر علماء دیوبند کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عنوان میں بھی علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت پر بہتان طرازیاں متعدد جگہ کی گئی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

[چونکہ وابستگانِ تبلیغی جماعت کو یہ ہدایت اور تاکید بھی ہے کہ وہ کسی کی دوسری کتابیں نہ پڑھیں] (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ص۱) ہر وہ شخص جس نے تبلیغی جماعت کو اندر سے دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں کو دوسری کتابوں کے مطالعہ سے ہرگز ہرگز نہیں روکا جاتا بلکہ باربار تاکید کی جاتی ہے کہ مسائل کا علم علماء کی کتابوں سے یا خود علماء سے پوچھ پوچھ کر حاصل کیا جائے۔ اجتماعی طور پر بصورت جماعتی شکل میں نکلنے کے زمانے میں بیشک تبلیغی نصاب ہی کی تعلیم ہوتی ہے جس طرح ہر تعلیمی ادارہ کا ایک نصاب متعیّن ہوتا ہے اور اس متعیّن نصاب کے علاوہ تعلیمی اوقات میں دوسری کتب پڑھنے کی کوئی بھی ادارہ یا معلّم اجازت نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اہل تبلیغ کا بھی نصاب متعیّن ہے۔ جو اصولِ تعلیم کے

عین مطابق ہے۔ اس پر تنقید کرنے والوں کو چاہیے کہ تمام تعلیمی اداروں پر بھی تنقید کریں۔ کیا جماعت اسلامی سے درس قرآن میں صرف تفہیم القرآن کا درس نہیں ہوتا۔" "پیش لفظ کے بعد خود مصنف کا تحریر کردہ مقدمہ ہے اس میں انھوں نے اول حضرت شیخ رح کی بے انتہا مقبولیت کا اظہار کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ اور پھر اس مقبولیت عامہ کی خود ساختہ وجہ "حضرت شیخ الحدیث رح قدس سرہٗ کو تبلیغی جماعت کا سہارا مل جانا" بتائی ہے۔ دینی اور علمی حلقہ اب تک یہی خیال کئے ہوئے تھا کہ مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی انتہائی جدوجہد حقیقی تڑپ مخلصانہ لگن اور از حد قربانیوں کے بعد حضرت شیخ الحدیث جیسی عظیم و معروف شخصیت کی سرپرستی حاصل ہو جانے کی وجہ سے تبلیغی جماعت کو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ نہ کہ حضرت شیخ رح کی مقبولیت کا سبب تبلیغی جماعت کی سرپرستی حاصل ہو جانا ہے۔ یہ انوکھی بات تابش صاحب کے ذریعے معلوم ہوئی ہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ محترم تابش اول اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ فرما دیتے کہ شیخ الحدیث حضرت مولیٰنا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے سرپرست ہونے سے قبل گمنام اور بالکل ہی غیر معروف شخصیت تھے پھر سرپرست ہو جانے کے بعد وہ دینی و علمی حلقوں میں متعارف و مشہور ہوئے ہیں۔ موجودہ صورت میں مصنّف کے اس دعویٰ کو ہم مغالطہ انگیزی اور حقیقت سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتے۔

مقبولیت کے اسباب قرآن و حدیث کی روشنی میں

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۝ سورہ مریم پ ۱۶ ع

البتہ جو یقین لائے ہیں اور کیے ہیں انھوں نے نیکیاں ان کو دے گا رحمان محبت (ترجمہ شیخ الہند)
تفسیری حاشیہ میں اس آیت کے تحت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح تحریر فرماتے ہیں۔
"یعنی ان کو اپنی محبت دے گا یا خود ان سے محبت کرے گا یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا۔" (قرآن مجید مترجم و محشی۔ مدینہ بک ڈپو دہلی ص۴۲۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے اپنی معرکۃ الآرا، تفسیر بیان القرآن میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہی تینوں محامل محبت کے بتائے ہیں جو مولانا شبیر احمد عثمانی رح نے لکھے ہیں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رح اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

بخاری، مسلم۔ اور ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب کسی بندہ کو پسند فرماتے ہیں تو جبرئیل امین سے کہتے ہیں کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو جبرئیل امین سارے آسمانوں میں اس کی منادی کردیتے ہیں اور سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر یہ محبت زمین پر نازل ہوتی ہے (تو زمین والے بھی سب اس محبوب خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔ اور فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر شاہد ہے، یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○ (معارف القرآن جلد ششم ص۵۵ بحوالہ روح المعانی)

اسی آیت کے ضمن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح لکھتے ہیں" اور ہرم ابن حیان رح نے فرمایا کہ جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔" (ایضاً بحوالہ قرطبی)

قارئین کرام مذکورہ بالا دلائل کو بغور پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ قرآن و حدیث میں کس رضا و رحمت کے ساتھ مقبولیت عامہ کا سبب غیر مادی چیزوں۔ یعنی ایمان و یقین کی پختگی اور احکام خداوندی

کی پوری طرح بجا آوری کو بتایا جا رہا ہے اب اس کے مقابلے میں تابش صاحب کا لکھا ہوا یہ جملہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ــــــــ [حضرت محترم شیخ الحدیث صاحبؒ کی شہرت و مقبولیت کی سب سے بڑی اور اولین وجہ یہ رہی ہے کہ انہیں اس عہد کی مشہور ترین اصلاحی جماعت (تبلیغی جماعت) کا سہارا مل گیا ۔] (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ص۱۳)

قرآن و حدیث تو اسباب مقبولیت غیر مادی چیزوں کو بتا رہے ہیں۔ لیکن ناقد محترم مقبولیت عامہ کا صرف سبب ہی نہیں بلکہ اولین اور سب سے بڑا سبب اور وجہ ایک مادی چیز کو بتا رہے ہیں ؟ تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو قرآن فہمی اور حدیث دانی کے مدعی تو ہوتے ہیں لیکن قرآن و حدیث کے خلاف خیالات کا اظہار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۳ ، ہی پر چند علماء کرام پر شدید قسم کے اتہامات لگا کر اقامتِ دین کا فریضہ انجام دیا ہے ، چنانچہ رقمطراز ہیں: "مولانا محمد یوسفؒ کا بھی جب انتقال ہوا تو جماعت کے کارکنوں نے کثرتِ رائے کی بنیاد پر اپنا امیر (حضرت جی) میرٹھ کے مشہور عالم دین مولانا رحمت اللہ صاحب کو منتخب کر لیا ۔ چونکہ مولانا رحمت اللہ صاحب قوم کے روغن گر (تیلی) تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ قیادت و امامت کا مستحق صرف شیخوں، سیدوں، پٹھانوں اور مغلوں کو تصور کرتا ہے اور دوسری قوموں کو نہ صرف یہ کہ کسی بھی قیادت و امارت کا حقدار تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ انھیں اس قابل بھی نہیں تصور کرتا کہ ان کے ساتھ ان کی نشست و برخاست یا دوسرے معاشرتی معاملات رہیں ۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے تو اپنی کتاب " غایۃُ الاَنسَاب " میں یہاں تک بھی فرمایا کہ بخشش و مغفرت کی مستحق بھی یہی چار قومیں یعنی شیخ، سید، مغل، پٹھان ہیں. حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ذات پات کی باتیں بہشتی زیور اور امداد الفتادیٰ وغیرہ میں رقم فرمائی ہیں ۔ (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ ص۱۳)

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال کے بعد امارت کے سلسلہ میں معمولی اختلاف ضرور ہوا جیسا کہ مشورہ میں ہونا ناگزیر ہے لیکن کثرتِ رائے سے حضرتِ جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو منتخب کیا گیا مولانا رحمت اللہ مرحوم کے سلسلے میں امارت کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں آیا یہ جناب تابش نے صریح بہتان باندھا ہے۔ اور خواہ مخواہ اہلِ تبلیغ کو اور ساتھ ہی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کو بدنام کرنے کی نامسعود کوشش کی ہے، عزت و شرافت کا دارومدار کسی ذات اور برادری پر نہیں ہے۔ بلکہ تقوی پر ہے۔ چنانچہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم و تقوی اور اصابت رائے میں اپنے عملے میں فائق تھے اور تیس ۳۰ سال تک مسلسل حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کام کرتے رہے کثرتِ رائے سے انھیں کو حضرت جی بنایا گیا۔ رہا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر الزام انھوں نے اپنی کتاب "غایۃ الانساب"

نوٹ جس وقت اِس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کی از سرِ نو کتابت کرائی جارہی تھی تو حضرتِ جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوچکا تھا۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۹۵ء میں میں جو مضمون اس موقع پر مولانا سجاد نعمانی نے لکھا تھا اُسی کو ھدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔

"عبدالکریم مفتاحی"

۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ کی شب ایک نئے اور انتہائی اندوہناک حادثہ کا پیام لیکر آئی جب رات میں ڈیڑھ بجے کے قریب دہلی کے پنت اسپتال میں تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کاندھلوی تیسرے قلبی دورہ کے بعد سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا تعلق بھی کاندھلہ ہی کے اس مشہور و معروف خانوادے سے تھا جو خاندانی ہمتی اور عالی نسبی میں ممتاز ہے۔ اور جس میں بے شمار علماء و فضلاء، مشائخ طریقت بلند پایہ فقیہ و مفتی

میں کہیں بھی یہ جملہ نہیں لکھا" کہ بخشش و مغفرت کی مستحق بھی یہی چار قومیں، شیخ، سید، مغل پٹھان ہیں راقم الحروف نے مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب کو از اول تا آخر پڑھا ہے کہیں بھی یہ جملہ مفتی مرحوم نے نہیں لکھا یہ بھی سراسر بہتان ہے، نیز حضرت تھانویؒ پر بھی تابش صاحب نے اتہام بازی اور بہتان طرازی سے کام لیا۔ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور اور امداد الفتاوٰی میں کفو غیر کفو شادی بیاہ کے متعلق مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اگر اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ پر اعتراض ہے تو پھر تمام فقہاء و محدثین نے بھی یہ مسائل لکھے ہیں تو کیا سبھی پر تابش صاحب الزام لگائیں گے؟

مقدمہ کے بعد مصنف نے "تبلیغی نصاب اور تبلیغی جماعت کے متعلق خلیفۂ مولانا تھانویؒ اور علمائے دیوبند کے احساسات" کا عنوان قائم کرکے اس کے تحت مولانا سید حامد حسین صاحب دامت برکاتہم (خانقاہ تھانہ بھون) [واضح رہے کہ مولانا سید حامد حسین صاحب کا تیس، چالیس برس سے خانقاہ تھانہ بھون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ۱۲] کی کتاب "صدر تبلیغی جماعت کو تبرے اور مناظرے کا شوق" کے چند اقتباسات پیش کئے ہیں جن میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور تبلیغی جماعت پر

عہ۲ اور باکمال عارفانِ خدا پیدا ہوئے۔ آخری دور میں اس خاندان میں جو نامور و باکمال لوگ پیدا ہوئے اُن میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اسمار گرامی سے آج کون ناواقف ہے؟

۱۳۸۴ھ کے آخری مہینے ذی الحجہ میں تبلیغی کام کی امارت و قیادت کی گرانبار ذمہ داری حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے کاندھوں پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے حکم سے پڑی تھی تیس سال تک اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نباہنے کے بعد ۱۴۱۶ھ کے پہلے مہینے محرم کی دسویں شب کو انہوں نے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی

اتنی طویل مدت تک ایک ایسی عالمگیر دعوت و دینی جدوجہد کی قیادت کرنا، اور مسجد کے ایک حجرہ میں بیٹھ کر پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ایک ایسی تحریک کا نظام چلانا جو تنظیم کے تمام مروجہ

(باقی آئندہ صفحہ پر)

تنقید کی گئی ہے۔ اور بعض جگہ تو صریح اِتہام بازی سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کتاب مذکور کے صلا کے حوالے سے جو اقتباس نقل کیا گیا ہے اس میں اہلِ تبلیغ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں" حالانکہ تبلیغی جماعت والوں پر یہ بہتانِ عظیم ہے جس نے ان لوگوں کو قریب سے دیکھا ہے یا ان کی باتیں سُنی ہیں اُسے اس کے بُہتان ہونے پر ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوسکتا۔

کتاب مذکور کے صہ کے حوالے سے تابش صاحب نے مولانا سید حامد حسین مدظلہ صاحب کا جو اقتباس نقل کیا ہے اس میں صحابۂ کرام کی علمی و عملی برتری بعد والوں پر اس دلیل کیساتھ بیان کی گئی ہے کہ [نبی کے براہ راست شاگرد، بواسطہ شاگردوں سے بدرجہا اعلیٰ و افضل ہیں]

پھر آگے چل کر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کی طرف ان کی کسی کتاب کے حوالے کے بغیر ایک عبارت منسوب کرکے نقل کی ہے کہ [مولانا انعام الحسن صاحب ارقام فرماتے ہیں صحابۂ کرام کی تعداد چار لاکھ کے قریب تھی وہ سب کے سب پورے دین کے عالم نہ تھے] تبلیغی نصاب ایک مطالعہ صلا

صہ طور طریقوں سے بالکل بے نیاز ہو، کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اسکے لئے کتنی بصیرت کتنی یکسوئی کتنے عزم واستقلال اور فہم وفراست اور حلم وتدبّر کی کتنی وافر مقدار درکار رہی ہوگی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے والے بلاخوف تردید گواہی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اوصاف بڑی فیاضی سے عطا فرمائے تھے —— اِن کے دور میں تبلیغی کام دنیا کے چپّے چپّے تک پہونچ گیا۔ اجتماعات میں شریک ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں گنی جانے لگی۔ روزانہ جماعتوں میں نکلنے والوں کی تعداد کا اوسط ہزاروں تک پہونچ گیا۔ پھیلاؤ جب بڑھتا ہے تو ٹھہراؤ ضرور کم ہوتا ہے۔ قدرت کے وضع کردہ اس قانون کا اثر جہاں تمام شعبوں سے وابستہ افراد پر پڑا وہیں تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بہت شدّت سے محسوس کرتے تھے اور بارہا اپنے کرب وبے چینی کا اظہار کرتے تھے۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اور پھر مولانا سید حامد حسین صاحب دامت برکاتہم ہی کی طرف نسبت کرکے اس پر تنقید ہے معلوم نہیں مولانا سید حامد حسین صاحب مدظلہ کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں کیونکہ مولانا موصوف کی کتاب "صدر تبلیغی جماعت کو تبرے اور مناظرے کا شوق" کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لیے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہاں اس جگہ ہم یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ اس کا سیاق و سباق کیا ہے؟

تابش صاحب پر اعتماد کرتے ہوئے اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت جی "" نے حقیقتاً یہ جملہ تحریر فرمایا ہے تب بھی اس پر اعتراض کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ زمانۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں علم حاصل کرنے کا ذریعہ صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس و صحبت تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض صحابۂ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں حاضر ہونے کے زیادہ مواقع میسر نہیں آئے۔ بعض قبائلی حضرات ایسے بھی تھے کہ جو ایک ہی مرتبہ حضور کی مجلس میں شریک ہو سکے ہیں اور پھر زندگی بھر آپ کی مجلس میں حاضر ہونیکا

ﷺ وہ تعداد میں روز افزوں اضافہ کو دیکھ کر جتنا خوش ہوتے۔ اس سے زیادہ ایمانی صفات اور اسلامی اخلاق کے لحاظ سے روز افزوں انحطاط کو دیکھ کر متفکر اور غمگین ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں جتنی توجہ کام کو بڑھانے اور نئے لوگوں تک دعوت کو پہونچانے پر مرکوز کی اتنی ہی توجہ کارکنوں کی تربیت کی طرف بھی دی۔ اسکے لیے بار بار ملکوں اور صوبوں کے کارکنوں کو مرکز نظام الدین بُلا بلاکر، اور ان صوبوں اور ملکوں میں کارکنوں کے خصوصی اجتماعات کرکے جتنی مسلسل اور زبردست کوشش اُنہوں نے کی۔۔۔ اس کا اندازہ آپ اُن کی یا ان کے رفقاء کی ڈائری دیکھ کر کرسکتے ہیں۔ جس پر آئندہ ڈیڑھ دو سال تک کے پروگرام اس تسلسل کیساتھ درج ہوتے تھے کہ اسمیں اچانک سامنے آنیوالے کسی تقاضے کے لیے ایک خالی دن ڈھونڈنا بھی نہایت مشکل ہوا کرتا تھا۔ اور پھر ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ پروگرام طے تو کرلئے جائیں اور پھر بعد میں کسی وجہ سے ملتوی کردیئے جائیں۔ پروگراموں کے التواء کا تصور ہی یہاں مفقود ہے۔ مشکل سے مشکل حالات ہوں لیکن جو بات طے کرلی جاتی ہے اس پر پورے عزم کیساتھ چلا جاتا ہے تبلیغی کام

(باقی صفحہ آئندہ پر)

موقع نہیں مل سکا۔ نیز قرآن مجید کے مکمل نازل ہونے سے قبل ہی بہت سے صحابہ یا تو وفات پا چکے تھے یا مرتبہ شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ دین کی تکمیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ ہی روز پہلے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ (الایۃ سورۂ مائدہ پ۶) ترجمہ: میں نے آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ کے نزول کے بعد ہوئی اگر اس آیت کے نزول سے پہلے ہی دین کو مکمل تسلیم کر لیا جائے تو یہ آیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اب اگر کوئی اس معنی کر بعض صحابۂ کرام کے پورے دین کے عالم ہونے کی نفی کرتا ہے تو اس میں اشکال و اعتراض کی کیا بات ہے؟ اس سے بہت زیادہ سخت اور صحابۂ کرام کی تنقیص کرنے والی عبارت تو اس حلقہ کے امیر اعلیٰ اور بانیٔ جماعت اسلامی مولٰنا مودودی مرحوم نے لکھی ہے جس کے ایک فرد تابش صاحب بھی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہد نبوی میں معیاری مسلمان تھے اور اس کے بعد کبھی اُن کو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں وہی تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کے رگ و پئے میں قرآن کریم کا علم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو۔ باقی رہے عوام تو اس وقت بھی ان معیاری مسلمانوں کے پیرو تھے اور آج بھی ہیں"۔ (تفہیمات ص۳۵ ج۱ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند ستمبر ۶۱ء ترجمان القرآن جولائی ۱۹۳۴ء)

بقیہ مولانا انعام الحسن رح

۶۵ء کے آغاز سے جو روایت اس سلسلے میں قائم ہوئی وہ اسکے "قرنِ ثالث" میں بھی برقرار رہی۔ *

نوٹ: ماہ جولائی ۱۹۹۵ء تک کسی اور نئے حضرت جی کا انتخاب عمل میں نہیں آیا، بلکہ مجلس شوریٰ ہی کے مشورہ سے کام چلایا جا رہا ہے۔ ۱۲

قارئین با تمکین غور فرمائیں کہ مذکورہ بالا عبارت میں کس دیدہ دلیری سے عوام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علمی، عملی، اور اسلامی غرض ہر اعتبار سے غیر معیاری ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ تابش صاحب کو یہ تنقیص و توہین آمیز عبارت تو نظر نہیں آئی لیکن تبلیغی جماعت کی مخالفت کے جوش میں ایک ایسی عبارت نقل کرنے میں ان کو کچھ بھی تامل نہیں ہوا جسمیں تاویل کی بہت کچھ گنجائش موجود ہے۔ اور یہ پوری تاویل اس وقت ہے جبکہ اس عبارت کا انتساب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح ہو ورنہ یہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پر سراسر الزام و اتہام ہے جو اونچے درجہ کی فریب کاری اور شرعًا جرم عظیم ہے۔

آگے چل کر جناب تابش نے حلقۂ دیو بند ہی کے چند معروف علمائے کرام کے نام لکھ کر یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی رائے تبلیغی نصاب کے بارے میں حد درجہ خراب اور اس کتاب پر عدم اعتماد کی ہے۔ اس ضمن میں بعض علماء کے خود سنے ہوئے الفاظ بھی مصنف نے تحریر فرمائے ہیں۔ مصنف نے دیوبندی حلقہ کے چند علماء کے جو نام لکھے ہیں ان حضرات علماء سے براہِ راست مراسلت کر کے معلوم کیا جا چکا ہے۔ سب نے تبلیغی نصاب اور تبلیغی جماعت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے بہر حال اس میں بھی تابش صاحب نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔

اس کے بعد مصنف محترم نے حضرت مولانا اَبُوالوَفا صاحب شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بمبئی کے کسی جلسۂ محترم میں شرکت کے موقع پر سنا ہوا قول نقل کیا ہے جو انھوں نے اس سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ تبلیغی نصاب پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا کوئی عالم ہمارے دیو بندی حلقہ میں نہیں ہے؟ مولانا ابوالوفاء رحمۃ اللہ علیہ نے علماءِ دیو بند میں سے تین حضرات کے نام لیکر فرمایا کہ یہ حضرات اس کام کو کر سکتے ہیں لیکن تبلیغی حلقہ کی وسعت کے خوف سے شاید اس کے لئے آمادہ نہ ہوں"۔ اس جواب کو نقل کرنے

کے بعد ناقدِ محترم نے دورِ حاضر کے علماء پر مداہنت، تقیہ اور رواداری کے تین شدید بہتان باندھے ہیں۔

دراصل تابش صاحب جس حلقہ سے منسلک ہیں۔ وہ علماء کرام کے خلاف الزام تراشیاں اور اتہام بازیاں کرنے میں بڑا مشتاق ہے۔ حالانکہ قرآن واحادیث میں علماء کرام کے بڑے بڑے فضائل آئے ہیں۔ شاید بہت سے قارئین اس حلقہ کی علماء دشمنی کی وجہ نہ جانتے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حلقہ کے باطل افکار ونظریات جب عوام کے سامنے پیش کئے جانے لگے تو ان علماء کرام ہی نے بغیر کسی مداہنت اور تقیہ بازی اور رواداری کے، اور بلاخوف لومۃ لائم عوام کو ان افکار باطلہ اور نظریات فاسدہ سے بچانے کیلئے، بھرپور اور مدلل تنقیدیں کیں، اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کی وجہ سے اس حلقہ کے پھیلنے پھولنے میں بڑی رکاوٹیں ہورہی ہیں صحیح اور مناسب طریقہ تو یہ تھا کہ یہ حضرات علماء کی تنقیدوں پر سنجیدگی سے غور کرکے اپنی گمراہیوں کی اصلاح کرتے لیکن ہوا یہ کہ ان تنقیدوں کی وجہ سے اس حلقہ کے افراد کے دلوں میں علماء کے خلاف بغض وعناد پیدا ہوگیا۔ اور دن بدن یہ ترقی ہی کرتا جارہا ہے "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" بھی علماء دشمنی کا ہی جدید شاہکار ہے۔

بہرحال بحث مصنف صاحب کے مقدمہ پر چل رہی ہے۔ مقدمہ ختم ہورہا ہے مدینہ بکڈپو سے شائع ہونے والی محشیٰ تبلیغی نصاب کے خلاف ایک اشتہار پر جو مولوی دین محمد میواتی اور جمیل احمد الیاسی ان دو حضرات کی جانب سے چھپا تھا اس اشتہار میں محشی کے حاشیہ کو گمراہ کن بتایا گیا ہے اور اس محشیٰ تبلیغی نصاب کے مطالعہ سے پرہیز کرنے کی گذارش ہے اور اسکی وجوہات بھی مشتہر نے بتادی ہے۔ فاضل مقدمہ نگار نے اس اشتہار کے خلاف حقیقت اور محشی تبلیغی نصاب کے حواشی کے درست ہونے کا تاثر دیا ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی ہے۔

مقدمہ کے بعد " تبلیغی نصاب ایک مطالعہ " کے تحت مُصنِّف نے کتاب لکھنے کی وجوہات اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس عنوان کی ابتدائی سطریں تو گویا بالکل حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہم العالی کی ایک معرکۃ الآراء کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ اس عنوان کے ذیل میں ناقدِ محترم نے تبلیغی نصاب کی گمراہیوں کے صرف ان پہلوؤں پر بحث کرنے کا دعویٰ کیا ہے جنکا گمراہ کن ہونا ہر عامی کے لئے دو اور دو چار کی طرح قابل فہم تھا اور جن کے اندر کسی بھی قسم کی کلامی ومنطقی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ پھر آگے چل کر اپنی کتاب میں تبلیغی نصاب پر تنقید کا دعویٰ کرنے کے باوجود تبلیغی نصاب کی حدیثوں کی اقسام بتانے سے پہلو تہی کرنے کا اقرار کرتے ہوئے اس کی وجہ فن حدیث میں اپنی نااہلی بتائی ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ خود کو فن حدیث میں نااہل بھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محدث کی تحریر کردہ حدیثوں پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی جراَت بھی فرما رہے ہیں۔ اور تیسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں کہ جن پہلوؤں پر انھوں نے بحث کی ہے اسکا کوئی ربط وتعلق اقسام حدیث سے نہیں ہے یہ معمہ حل کرنے سے ہم قاصر ہیں کہ کسی محدث کی نقل کردہ حدیثوں کا گمراہ کن ہونا، ان حدیثوں کی اقسام بیان کئے بغیر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

کتاب کے صفحہ ۲۷ سے حضرت شیخ ؒ کی کتب فضائل پر اصل تنقید شروع ہوتی ہے ناقد کی تنقیدوں کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ اس کو تنقید یا اعتراض کا نام دینا ہی غلط ہے۔ کیونکہ مصنف ایک مطالعہ نے دھوکہ بازی اور فریب کاری اور مغالطہ انگیزی سے اکثر جگہ کام لیا ہے۔ نیز شروع سے آخر تک اس کتاب میں دھوکہ بازی اور مغالطہ انگیزی کے سوا کوئی مفید علمی چیز نظر نہیں آئی اس لئے اعتراضات کے جوابات میں ہم یہ طرز اختیار کرنے پر خود مجبور پاتے ہیں کہ ہر اعتراض کو بالترتیب لیتے جائیں اور اس کو دھوکے کے عنوان سے تعبیر کریں چنانچہ ہمارے جوابات کی ترتیب یہ ہوگی۔

پہلا دھوکا اور اسکا جواب " دوسرا دھوکا اور اس کا جواب " آخر تک۔

حکایاتِ صحابہ کے بارے میں فریب کاریاں

پہلا دھوکا بعنوان " صحابہ کی غلطی "

محترم معترض لکھتے ہیں [علمائے دیوبند، خصوصاً حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کا ہمیشہ سے اعلان شدہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ صحابۂ کرام معیارِ حق ہیں، کسوٹی ہیں اور ان کے بارے میں یہ رائے رکھنا کہ ان سے بھی غلطی اور خطا کا امکان ہے شدید قسم کی گمراہی ہے]
(ایک مطالعہ ص ۲۷)

اس عبارت سے متصل جنابِ مصنّف ایک مطالعہ نے حکایاتِ صحابہ ص ۱۱ کا یہ جملہ تحریر فرمایا ہے۔

> "اُحد کی لڑائی میں اول اول تو مسلمانوں (صحابہ کرام) کو فتح حاصل ہوئی مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی"

پھر حضرت شیخؒ کے اس جملے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ صحابۂ کرام کا معیار تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی طرف غلطی کا انتساب کرتے ہیں " (ایضاً) ابتدائی سطروں میں مصنف نے علمائے دیوبند خصوصاً حضرت شیخؒ کی طرف صحابۂ کرامؓ کے بارے میں دو عقیدوں کی نسبت کی ہے۔ ایک تو یہ کہ صحابۂ کرام معیارِ حق اور کسوٹی ہیں اور دوسرا یہ کہ ان سے غلطی اور خطا کا امکان ہی نہیں یعنی علمی زبان میں یہ کہ صحابہ کو علمائے دیوبند اور حضرت شیخؒ معصوم عن الخطا مانتے ہیں۔

یہاں اس بات کا اقرار کرتے ہوئے ہم کو ذرا بھی باک محسوس نہیں ہوتا کہ بیشک علمائے دیوبند صحابۂ کرام کے معیارِ حق اور کسوٹی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب امت کے ایک طبقہ نے دستورِ اساسی کے طور پر یہ بات پیش کی کہ " رسول خدا کے سوا کسی کو معیارِ حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے .... تو وہ علمائے دیوبند ہی تھے جنہوں نے اس دستور کی گمراہی کو واضح کر کے صحابۂ کرام رضی کے معیارِ حق اور کسوٹی ہونے کو قرآن، حدیث، اقوالِ سلف اور ائمہ مجتہدین کی عبارتوں سے نہایت مدلل طریقہ پر ثابت کیا۔

مصنف ایک مطالعہ نے یہاں پر یہ دھوکہ دیا کہ علماء دیوبند کی طرف صحابۂ کرام رضی کے معیارِ حق ہونے کا صحیح عقیدہ منسوب کرنے کے ساتھ ہی ایک غلط عقیدہ کا انتساب بھی علمائے دیوبند کی طرف کر دیا۔ وہ یہ کہ علمائے دیوبند صحابۂ کرام کے غلطی سے پاک اور معصوم عن الخطا، ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ یہ ان کا ہمیشہ سے اعلان شدہ عقیدہ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ رہا اور نہ کبھی انھوں نے اس کا اعلان کیا ہے اور نہ ہی ہماری کسی کتاب میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی سے غلطی وخطا کا امکان ہی نہیں۔ یا یہ کہ صحابہ رضی معصوم ہیں اس کے برعکس ہماری متعدد کتب میں وضاحت کے ساتھ یہ عقیدہ لکھا ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کے علاوہ کوئی بھی معصوم (گناہوں، غلطیوں اور خطاؤں سے پاک) نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں اس عقیدہ کو کتابوں کے حوالوں اور عبارتوں کے ساتھ لکھنے کی ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اوّل تو تابش صاحب کی ذمہ داری ہے کہ انھوں نے علمائے دیوبند خصوصاً حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی طرف جو صحابۂ کرام رضی سے غلطی اور خطا کے امکان کی نفی کا عقیدہ منسوب کیا ہے۔ ان حضرات کی معتبر کتابوں کے ذریعہ ثابت کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اور ان کے ہم نوا قیامت تک بھی کوشش کرتے رہیں تو اپنے اس غلط

انتساب کو ثابت نہیں کر سکتے۔

دوسرا دھوکا بعنوان صحابی رسول حضرت انس بن نضرؓ میں اخلاص نہیں تھا۔"

"حکایات صحابہ" میں دوسرے نمبر پر حضرت انس بن نضر کی شہادت کا قصہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے جو غزوۂ اُحد میں پیش آیا اس قصہ میں صفحہ ۱۱ پر یہ عبارت بھی ہے کہ

> حضرت انسؓ بن نضر نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذؓ آرہے ہیں۔ ان سے کہا اے سعدؓ کہاں جا رہے ہو خدا کی قسم جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آرہی ہے یہ کہکر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہجوم میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہوگئے واپس نہیں ہوئے۔

پورا واقعہ لکھنے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ نے فائدہ کے تحت ص۱۲ پر تحریر فرمایا۔

> جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں۔ ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت انسؓ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے اگر اخلاص آدمی میں ہوجائے تو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے

میں نے ایک معتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص خادم ہیں۔ حضرت کا یہ مقولہ سنا ہے کہ جنت کا مزہ آرہا ہے۔

واقعہ بھی اپنی جگہ صاف ہے اور فائدہ کے ضمن میں لکھی ہوئی عبارت بھی بے غبار ہے۔ جو شخص بالکل خالی الذہن ہو کر غیر جانبداری سے اس کو پڑھے گا وہ یہی مطلب سمجھے

گا کہ حضرت انس بن نضر رضؓ کے واقعہ سے مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ "اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جانے سے دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے"۔ جیسا کہ حضرت انس رضؓ سچی طلب اور اخلاص کی وجہ سے زندگی ہی میں خوشبو سونگھ کر جنت کا مزہ حاصل کر رہے تھے۔

حضرت انس رضؓ کی طرح جس کبھی مومن بندہ میں یہ دونوں صفتیں پائی جائیں گی وہ بھی دنیا میں جنت کا مزہ محسوس کریگا۔ اس کے بعد حضرت شیخ رحؒ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری کا مقولہ 'جنت کا مزہ آرہا ہے'' پیش فرمایا ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی فائدے کے تحت لکھی ہوئی عبارت کے ساتھ یہ فریب کاری کی گئی ہے کہ اس کے سیدھے سادے مفہوم کو چھوڑ کر اور قارئین کو الفاظ کے چکر میں الجھا کر ایک انوکھا مفہوم اختراع کر لیا گیا ہے جس کو علمی تحقیق تو کسی صورت میں بھی نہیں کہا جاسکتا ہاں "شعبدہ بازی" کا نام ضرور دیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا حضرت انس رضؓ کے مذکورہ واقعہ سے اور حضرت شیخ رحؒ کے فائدے کے ضمن میں لکھی ہوئی عبارت سے تابش صاحب کا اخذ کردہ نتیجہ بھی ہمارے ناظرین ملاحظہ فرمالیں۔ اول تو ان کے قائم کردہ عنوان "صحابی رسول صلعم انس بن نضر رضؓ میں اخلاص نہیں تھا" سے ہی ان کے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کا بہت کچھ علم ہوجاتا ہے پھر عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

اسی واقعہ کے ضمن میں حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے مشہور صحابی رسول صلعم حضرت انس بن نضر رضؓ کو غیر مخلص بھی بتایا ہے اور اپنے شیخ و مرشد کو مخلص" (ایک مطالعہ ص ۲۷)

ناظرین کرام میں سے اکثر حضرات جانتے ہوں گے کہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی تھے۔ تابش صاحب نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رح کو حضرت شیخ رح کا مرشد لکھ کر غلط بیانی سے بھی کام لیا اور قارئین کتاب کو یہ مغالطہ انگیز تاثر بھی دینا چاہا ہے کہ دیوبندی حضرات اپنے شیخ و مرشد کی تعظیم میں غلو کرکے انھیں صحابۂ کرام تک سے بڑھا دیتے ہیں۔ اس جگہ بطور لطیفہ کے یہ بات بھی لکھ دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابی رسول ص کو غیر مخلص بتانے کا خود ساختہ الزام اس شخص پر لگایا جارہا ہے جس کی حکایات صحابہ اور فضائل کی دیگر کتابوں کی ہر ہر سطر صحابۂ کرام رض سے والہانہ محبت، عشق صادق، اور حقیقی عظمت کا پتہ دے رہی ہے۔ پھر لطف کی بات یہ کہ حکایات صحابہ کے، آخر میں خاتمہ کے تحت "صحابہ کرام کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل" کا عنوان قائم کرکے اس مقدس جماعت کے جو کمالات وفضائل قرآن و احادیث میں آئے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ حضرت شیخ رح نے فرمایا ہے تاکہ ان حضرات کی شان میں گستاخی کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ نیز اسی حکایات صحابہ کے چھٹے باب" ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا" کی بالکل ابتدائی سطروں میں ایثار کی مختصر تعریف لکھنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رح نے نہایت ہی واضح الفاظ میں تحریر فرمادیا ہے۔ کہ "اول تو صحابہ کرام کی ہر ادا ہر عبادت ایسی ہی ہے۔ جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہوجائے تو عین سعادت ہے۔ (حکایات صحابہ ص ۱۶۴)

اتنی واضح عبارت کے ہوتے ہوئے، حضرت شیخ رح پر صحابی رسول ص سے اخلاص کی نفی کا الزام وہی لگا سکتا ہے جس نے پہلے ہی حضرت شیخ رح اور جماعت تبلیغ کی مخاصمت میں، کسی دوسری جماعت کی طرف سے داد تحسین حاصل کرنے کے لئے فکر آخرت اور خوف خدا سے بالکل ہی عاری ہوکر

لکھنے کا تہیہ کر لیا ہو

مصنف کے اس دوسرے اعتراض کی تان ٹوٹ رہی ہے۔ جہاد پر جنا بچہ انھوں نے یہ غلط مفروضہ قائم کر لینے کے بعد کہ " حضرت شیخ الحدیث نے ایک صحابی رسول کو غیر مخلص اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری کو مخلص بتایا ہے۔" آگے چل کر ارشاد فرمایا۔

> "تھوڑے سے غور و فکر کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ کس چالاکی کے ساتھ جہاد سے فرار کی راہ اختیار کرنے پر اکسایا جارہا ہے، پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کیا ہی بہتر ہوتا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کا واقعہ نقل کرنے کے بجائے حضور کی درج ذیل حدیث تحریر فرما کر اہل ایمان کے شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد کو تقویت پہونچاتے۔" (ایک مطالعہ ص ۲۹)

یہ جملہ لکھنے کے بعد ایک حدیث نقل کی ہے جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں۔ یہ سن کر ایک خستہ حال شخص نے ان سے اس کے قولِ رسول ہونے کی مزید تصدیق چاہی جب تصدیق ہو گئی تو اپنی تلوار کا نیام توڑ کر دشمنوں کی طرف رخ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ (ایضاً) اس جگہ پر ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے موجودہ زمانے کے ایک جیّد و محتاط عالم دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم کی ایک مختصر عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ یہی عبارت مصنف ایک مطالعہ کی مذکورہ تحریر کا جواب ہونے کے لئے کافی ہے مولانا موصوف حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔"

" اللہ اگر سمجھ دے، تو ان دونوں حدیثوں میں ان حضرات باتی اور باتونی لوگوں کیلئے

بڑا سبق ہے، جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گذارتے ہیں حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا اور نماز، روزہ، ذکر وتلاوت وغیرہ اعمال خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ہر وقت ان کو ملا ہوا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بعض اوقات تو ان اعمال خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ٥ (معارف الحدیث جلد دوم ص۱۳۶ شائع کردہ)

(کتب خانہ الفرقان لکھنو)

تیسرا دھوکا بعنوان ”نَذرَانَہ یا ھَدِیَہ“

اس عنوان کے تحت مصنف ایک مطالعہ کو حضرت شیخ کی مندرجہ ذیل عبارت پر اعتراض ہے [حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہٗ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہوجاتی تو اسے تمام سے منگوا کر تقسیم فرما دیتے“]

تابش صاحب فرماتے ہیں کہ

نذرانہ یہ ایک جاہلی رسم ہے جو یہودیوں نصرانیوں اور برہمنوں کے ذریعہ عام ہوئی ہے اور عام ہوتی جارہی ہے (ایک مطالعہ ص۲۴)

اس جگہ مصنف نے ناظرین کو الفاظ کے چکر میں الجھا کر دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے لفظ ہدیہ استعمال کرنے کے بجائے ایک ذلیل لفظ ”نذرانہ کیوں استعمال فرمایا کیونکہ ان کے اپنے زعم کے مطابق ہدیہ تو جائز اور اسلامی چیز ہے لیکن اس کے مقابلہ میں نذرانہ غیر اسلامی جاہلانہ رسم ہے جو یہودیوں نصرانیوں اور برہمنوں کے ذریعہ عام ہوئی ہے۔

شریعت اسلام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ مصنف نے یہاں بھی الفاظ کے خودساختہ چکر میں الجھا کر اپنے قارئین کو دھوکا دینا چاہا ہے جبکہ نذرانہ اور ہدیہ دونوں ہم معنی لفظ ہیں دونوں کے معنی فیروز اللغات اُردو جدید صـ۶۷۹ سے لکھے جاتے ہیں۔

نذرانہ، فارسی کا لفظ ہے یعنی پیشکش۔ تحفہ۔ ہدیہ اور ہدیہ۔ عربی کا لفظ ہے یعنی تحفہ مصنف نذرانہ کو نذر کے معنی میں لے رہے ہیں۔ نذر کے معنی منت صدقہ چڑھاوا کے آتے ہیں یہ بھی عربی کا لفظ ہے۔ تعجب ہوتا ہے مصنف ایک مطالعہ نذر اور نذرانہ کے فرق کو بھی نہیں سمجھ سکے اور بلا سوچے سمجھے ایک عظیم محدث پر تنقید شروع کر دی ہے۔

چوتھا دھوکا بعنوان "یہ بھی ایک جاہلی رسم ہے"

ناقدِ محترم نذرانہ یا ہدیہ" پر بحث کرتے وقت" اردو دانی" کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے تھے۔ لیکن اس جگہ ان کی اردو دانی معلوم نہیں کہاں رخصت ہوگئی؟ اردو ادب میں"جاہلی رسم" بولنے کا کوئی محاورہ نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے استعمال کو معیُوب سمجھا جاتا ہے صحیح اور فصیح محاورہ " جاہلانہ رسم" ہے۔ جناب مصنف نے چونکہ نذرانہ یا ہدیہ" کی بحث میں اپنے آپ کو اردو ادب میں بھی ماہر ہونے کا گویا دعویٰ کیا تھا اس لئے ہم نے قارئین کے سامنے ان کی اردو دانی اور ادبیت کو رکھ دینا بھی ضروری سمجھا۔

اب اصل مقصد کیطرف رجوع ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکایات صحابہ کے صـ۴۸ پر قصہ نمبر۸۔ " حضور کا صحابہؓ سے دو شخصوں کے بارے میں سوال" کے تحت لکھا ہے۔ یہ قصہ حدیث پاک میں بھی آیا ہے۔ یہ حدیث متن اور ترجمہ کے ساتھ معارف الحدیث

جلد دوم صفحہ ۲۵-۱۲۴ پر مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم العالی نے بخاری و مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے ۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر حوالہ کے حدیث کا صرف ترجمہ لکھا ہے حدیث کے راوی سہل بن سعد ہیں ۔

قصہ کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ بالترتیب دو شخص ایک ذی حیثیت اور ایک خستہ حال ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرتے ہیں ۔ آپ حاضرین مجلس کی رائے ان اشخاص کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں پہلے شخص کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی جاتی ہے کہ اِنْ خَطَبَ یُنْکَحَ اور دوسرے کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اِنْ خَطَبَ لَا یُنْکَحَ حضرت شیخ نے پہلی رائے کے الفاظ کا ترجمہ [اگر کہیں پیام دیدے تو قبول کیا جائے] اور دوسری رائے کے الفاظ کا ترجمہ "کہیں منگنی کرے تو بیاہا نہ جائے ") کیا ہے ۔ بس معترض صاحب کو لفظ منگنی پر اعتراض ہے چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳ پر رقم طراز ہیں ۔ [حالانکہ منگنی بھی ایک جاہلانہ رسم ہے محترم شیخ الحدیث نے اصل عبارت نہیں نقل کی ، یہاں منگنی کے بجائے " پیام " یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہونا چاہیئے تھا ۔"

جناب تابش صاحب کی مغالطہ انگیزی و فریب کاری نے یہاں یہ گل کھلایا کہ انھوں نے منگنی یعنی مانگ لینا کے لفظی معنی لینے کے بجائے مرادی معنی لے لیئے اور اس سے ہمارے زمانے کے جہلا میں شادی سے پہلے اور پیام کے بعد ہونے والی ایک خرافات سے بھری ہوئی رسم کی طرف قارئین کے ذہن کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ورنہ حضرت شیخ منگنی سے پیام ہی مراد لے رہے ہیں ۔ چنانچہ حدیث پاک میں رائے دینے والے صاحب نے پہلے گذرنے والے کے بارے میں جو رائے دی اس میں اِنْ خَطَبَ کا ترجمہ حضرت شیخ نے اگر کہیں پیام دے دے ہی کیا ہے ۔ یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ منگنی سے انکی مراد پیام ہی ہے

بلکہ دونوں لفظ مرادف المعنیٰ ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
وَلَا جُنَاحَ عَلَيكُم فِيمَا عَرَّضْتُم بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ الآیۃ
اس آیت کا ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا ہے۔ اور نہیں گناہ اوپر تمہارے بیچ اس چیز کے کہ پردہ کیا تم نے ساتھ اس کے منگنی عورتوں کے۔۔۔
(سورۂ بقر پارہ ۲ رکوع ۱۴ آیت نمبر ۲۲۵) اسی آیت کا ایک دوسرے بزرگوار کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جو تابش صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے نزدیک بہت زیادہ معتبر بلکہ مجتہد تک سمجھے جاتے ہیں وہ بزرگوار تحریر فرماتے ہیں۔ زمانۂ عدت میں خواہ تم ان بیوہ عورتوں کے ساتھ منگنی کا ارادہ ۔۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۰)

اب ذرا مصباح اللغات دیکھئے کہ اسمیں اس لفظ کے کیا معنی دئے ہیں۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی اپنی اس مقبول ترین لغت کے صفحہ ۲۸۰ پر لکھتے ہیں خَطَبَ (ن) خَطْبًا وَخِطْبَۃً۔ منگنی کرنا۔ قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ قرآن کے جس لفظ کا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب اور صاحب تفہیم القرآن نے منگنی کیا ہے حدیث میں آئے ہوئے اسی لفظ کا ترجمہ شیخ الحدیث نے بھی "منگنی" کر دیا تو اس میں کیا خرابی آگئی۔ کیا شاہ رفیع الدین صاحب اور مودودی صاحب مرحوم پر بھی منگنی ترجمہ کرنے کی وجہ سے ایک جاہلانہ رسم کی تائید کا الزام عائد کرنے کی تابش صاحب جرأت کر سکیں گے؟ جبکہ مصباح اللغات سے بھی اسی ترجمہ کی تائید ہو رہی ہے۔

پانچواں دھوکا۔ بعنوان صحابہ اور غیر صحابہ میں امتیاز ہونا چاہیئے

ایک بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ "تبلیغی نصاب۔ ایک مطالعہ" کے مصنف کے دل میں صحابۂ کرام کی محبت اور عظمت اچانک کہاں سے ابل پڑی۔ جبکہ تبلیغی نصاب کا

موضوع صحابہ کرامؓ کی تنقیص یا ان مقدس حضرات کی وقعت کم کرنا نہیں، بلکہ ابد والوں پر ان کی فضلیت کا اظہار کر کے لوگوں کے قلوب میں انکے اتباع کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ دوسری بات سمجھ میں نہ آنے والی یہ ہے کہ خلافت و ملوکیت" پڑھ کر مصنف کے دل سے صحابہ کی محبت کہاں غائب ہوگئی تھی۔ جبکہ اس کتاب کا موضوع ہی صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید و تنقیص ہے ہر تعلیم یافتہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ مضمون نگار اپنے مضمون کا یا مصنف اپنی کتاب کا جو نام تجویز کرتا ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس عنوان کے مضمون یا اس نام کی کتاب میں۔ عنوان یا نام سے مطابقت رکھنے والی بحث کا غلبہ اور اکثریت ہوگی ضمناً اختیار کردہ موضوع کے علاوہ کوئی بحث آجانے سے مضمون یا کتاب کے نام کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت شیخؒ نے بھی حکایات صحابہ کے چوتھے باب کا جو عنوان " صحابہ کرام کے تقویٰ کا بیان " دیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس باب میں غلبہ صحابہ کرام کے واقعات کا ہوگا ضمناً ایک آدھ واقعہ غیر صحابی کا آجانا، باب کے عنوان کے منافی نہیں۔ پھر جبکہ غیر صحابی کے واقعہ سے پہلے ہی صاف لفظوں میں لکھدیا گیا کہ " علی بن معبدؒ ایک محدث ہیں" اسکا مطلب یہی ہوا کہ وہ صحابی نہیں۔ کیونکہ کسی صحابی پر محدث کا اطلاق نہیں آتا بلکہ راوئ حدیث کا اطلاق آتا ہے۔ لہٰذا اس وضاحت کے بعد بھی یہ مغالطہ دینا کہ صحابہ اور غیر صحابہ میں امتیاز نہیں رہا بلکہ التباس ہوگیا ہے دھوکا اور فریب کاری نہیں تو کیا ہے؟

پندرھواں دھوکا بعنوان " خدا کا یہ ارشاد کہاں ہے؟

حضرت شیخ الحدیثؒ نے پانچویں باب کی ابتداء میں " اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں " کا عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا ہے [حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں یعنی رب زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ حکایات صحابہ ص۵۵] اس عبارت کو لکھنے کے بعد تابش صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"اب تک تو ہم کو یہی معلوم تھا کہ خدا کا ہر فرمان فرض کے درجہ میں ہوتا ہے "نوافل" سے اہتمام کا بھی حکم فرمایا گیا ہے یہ پہلی بار دیکھنے کو ملا حضرت شیخ الحدیث" کو اصل عبارت بھی من وعن نقل کرنی چاہیئے تھی تاکہ مسلمانوں میں نوافل کو بھرپور فروغ حاصل ہوتا (ایک مطالعہ ص۳۴)

پھر بڑے چیلنج کے ساتھ ایک جملہ کے بعد اسی صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے

علماء دیوبند پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھائیں"	ایضاً

جناب تابش صاحب نے علمائے دیوبند کو چیلنج تو بڑے زور دار الفاظ میں کردیا لیکن بار بار بغور پڑھنے کے بعد بھی ہم یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ آخر یہاں گتھی ہی کونسی ہے جسے سلجھانے کی دعوت علمائے دیوبند کو دی جارہی ہے۔ ؟

اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان فرض کے درجہ میں ہونا اور اسکے مقابلے میں حضرت شیخ" کا یہ فرمانا کہ " اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں" اگر یہی گتھی ہے جو مُصنّفِ ایک مطالعہ سے سلجھ نہیں رہی ہے تو ہم اس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سلجھائے دیتے ہیں۔

اول تو تابش صاحب کا قائم کردہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ " خدا کا ہر فرمان فرض کے درجہ میں ہوتا ہے۔" قرآن پاک میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں کسی کام کا حکم دیا گیا ہے لیکن تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ فرض نہیں بلکہ مستحب یا نفل ہے نمونہ کے طور پر ہم صرف چند آیتیں یہاں پیش کرتے ہیں ــ ملاحظہ فرمایئے ـــــ (۱) ـــــ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ـ الاٰيۃ ، ترجمہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو۔ (سورہ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۳) تفہیم القرآن جلد اول ص۱۲۵

ظاہر ہے کہ اس جگہ صبر سے اس کی تمام قسمیں اور نماز سے بھی فرض واجب سنت و نفل ہر قسم کی نمازیں مراد ہیں۔ نحوی زبان میں یہ کہ دونوں جگہ الف لام جنس یا استغراق کے لئے ہے حالانکہ مصائب کے وقت نہ صبر کی تمام اقسام فرض ہیں اور نہ تمام قسم کی نمازوں سے مدد حاصل کرنا ہی ضروری ہے۔

(۲) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ سورہ بقرآیت نمبر ۲۸۲ پارہ ۳، رکوع ۷

پھر اپنے مردوں میں دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۲۲) آیت شریف قرض کے لین دین کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ اس لین دین کو لکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اور اس تحریر پر دو مردوں کی گواہی کا اور اگر دو مرد نہ ہوں تو اس صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کرانے کا حکم دے رہے ہیں لیکن نہ تو اس لین دین کو لکھنا فرض ہے اور نہ دو آدمیوں کے نہ ملنے کی مجبوری میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لینا فرض ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص باوجود دو مردوں کی موجودگی کے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنائے تو جائز ہوگا۔

(۳) پارہ نمبر ۴ کے بارہویں رکوع سورۂ نساء میں نکاح کے بارے میں خدا کا فرمان ہے۔
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
ترجمہ: اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو۔ دو۔ تین۔ تین چار چار سے نکاح کرو۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۲۰) اس آیت میں نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ جو ہر حال میں فرض نہیں ہے بلکہ اکثر حالات میں نکاح کرنا سنت یا نفل ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن پاک میں بہت سی آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں خدا کا فرمان فرض کے درجہ میں نہیں ہے۔

پھر صرف قرآن مجید ہی میں اللہ تعالیٰ کے فرامین نہیں ہیں بلکہ احادیث پاک میں بھی خدا کے بہت سے فرمان آئے ہیں۔ ایسی احادیث کو علمی زبان میں "احادیث قدسیہ" کہتے ہیں۔

حضرت شیخ رح نے حکایات صحابہ کے باب پنجم میں "اللہ تعالیٰ کا ارشاد" نوافل والے کے حق میں" کا عنوان قائم کرکے اس کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ ایک حدیث قدسی ہی کا ترجمہ ہے ہم تابش صاحب کی غلطی اور مغالطہ انگیزی کو واضح کرنے کے لئے اس حدیث قدسی کا پورا متن مع ترجمہ کے لکھتے ہیں۔

عن ابی هريرة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالىٰ قال من عادىٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتهٗ فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذ نی لاعیذنه وما ترددت عن شیٔ انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساء ته ولا بد له منه۔ (رواه البخاری)

باب التواضع جلد ثانی ص۹۶۳ مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۷

باب ذکر الله عز وجل والتقرب الیه

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رض راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ (مؤمن) میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہو

جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ اور میرا (وہ) بندہ جسے ادائیگی فرائض کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے) ہمیشہ نوافل کے ذریعہ (یعنی ان طاعات و عبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں) میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں (کیونکہ وہ فرائض و نوافل دونوں اختیار کرتا ہے) اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے، میں اسکا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ (برائیوں اور مکروہات سے) میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔ ترجمہ مظاہر حق جدید جلد ۲ قسط ۷ بخاری صد ۴۲-۴۳

ساتواں دھوکا بعنوان

حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد اور حضرت حسینؓ

اس عنوان کے تحت مصنف نے حکایات صحابہ صد ۱۶۳ کے حوالے سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں حضرت حسینؓ کا صرف پانچ چھ برس کی عمر میں دین کی باتیں محفوظ رکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو روایت کرنے کا ذکر ہے اس کے بعد مصنف نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی فائدہ کے

تحت لکھی ہوئی عبارت کا خلاصہ لکھا ہے کہ اس قسم کے ذہانت کے واقعات دوسرے صحابہ رضؓ کی زندگیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آگے چل کر محترم مصنف تحریر فرماتے ہیں

> پھر اس فائدہ ہی کے ضمن میں حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے اس سے بھی زیادہ قابل ذکر ذہانت کا تذکرہ بایں الفاظ فرمایا ہے۔ ایک مطالعہ صہ ۳۴

ناظرین یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ خط کشیدہ الفاظ حضرت شیخ رحؒ نے نہ تو صراحتاً لکھے ہیں اور نہ کہیں اس کا اشارہ کیا ہے۔ مصنف ایک مطالعہ اپنی طرف سے یہ جملہ لکھ کر اپنی کتاب کے قارئین کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اپنے والد کو ذہانت میں حضرت حسین رضؓ سے بھی بڑھا دیا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) خط کشیدہ جملہ لکھنے کے بعد مصنف نے حکایات صحابہ صہ ۱۶۴ حضرت شیخ رحؒ کا اپنے والد کے بارے میں لکھا ہوا واقعہ تحریر کیا ہے جس میں حضرت شیخ رحؒ نے اپنے والد محترم اور گھر کی عورتوں کے حوالے سے والد محترم کا دودھ چھوڑنے کے وقت (یعنی تقریباً دو برس کی عمر میں) پاؤ پارہ حفظ ہو جانے کا اور سات برس کی عمر میں پورے قرآن پاک کے حفظ ہونے کے علاوہ فارسی کی چند کتابیں پڑھ لینے کا ذکر ہے صہ ۳۵-۳۴ (ایک مطالعہ)

اس جگہ مصنف صاحب کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ بچہ شیر خوارگی کے زمانے میں جبکہ وہ بول بھی بمشکل پاتا ہے پاؤ پارہ کیسے حفظ کر سکتا ہے۔" لیکن واقعات مصنف کی عقل کے تابع نہیں ہوتے۔ حضرت شیخ رحؒ نے جبکہ یہ واقعہ معتبر حوالوں سے لکھا ہے تو اس کو بلاوجہ رد کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم حضرت شیخ کو عقیدت کے جوش میں نہیں بلکہ موصوف کو قریب سے دیکھنے اور آپ کی مجالس وصحبت میں شریک ہو کر اعمال وکیفیات کا جائزہ لینے کی بنا پر مومن کامل سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن جھوٹا

نہیں ہوتا " اس لئے ہمیں اس واقعہ کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔ تردد ہو بھی کیوں سکتا ہے جبکہ ہم گندے معاشرے سے متاثر دو تین سال کے بچوں کو کئی کئی فلمی گانے گاتے اور سینکڑوں گالیاں بکتے ہوئے دیکھتے ہیں حضرت شیخ رح کے گھر کے اکثر مرد و عورتیں حافظ قرآن تھیں۔ ان کا رات دن کا مشغلہ تلاوت قرآن پاک ہی تھا۔ بچہ کے کان میں ہر وقت قرآنی آیتیں پہونچتی تھیں تو ایسے مبارک ماحول سے بچہ متاثر ہو کر کچھ قرآن یاد کرلے تو عین عقل کے مطابق ہے۔

مصنف نے یہاں دھوکا یہ دیا کہ حضرت شیخ رح کی عبارت سے یہ غلط نتیجہ اخذ فرمالیا کہ حضرت شیخ رح نے اپنے والد کو حضرت حسین و دیگر صحابہ رض بلکہ حضرات انبیاء ع تک پر فوقیت دیدی حضرات صحابہ کے بارے میں حضرت شیخ رح کا عقیدہ اور فیصلہ ہم گذشتہ صفحات میں حکایات صحابہ باب چھٹا ص۱۴۲ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں۔ دوبارہ اسی عبارت کو لکھ دیتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رح تحریر فرماتے ہیں۔

" اول تو صحابہ کی ہر ادا ہر عادت ایسی ہے جس کی برابری تو درکنار
اس کا کچھ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہوجائے تو عین سعادت ہے "

حضرت شیخ الحدیث رح کی یہ واضح ترین عبارت پڑھنے کے بعد کوئی بھی ایماندار نقاد حضرات صحابہ پر بعد والوں کو فوقیت دینے کا الزام شیخ الحدیث رح پر نہیں لگا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف " ایک مطالعہ " نے آنکھیں بند کر کے تبلیغی نصاب کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر ان کو آنکھیں کھول کر مطالعہ کا موقع ملتا تو وہ اتنا لچر اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔

۸ آٹھواں دھوکا۔ بعنوان " آنحضور پر ایک عظیم بہتان "

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے بارے میں علماء کی دو رائیں ہمیشہ سے

رہی ہیں۔ بعض علمائے سلف وخلف نے فضلاتِ نبی کو ناپاک کہا ہے۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک آپ کے فضلات خود آپ کے حق میں تو ناپاک، لیکن دوسروں کے حق میں پاک تھے۔ دونوں فریق کے پاس دلائل موجود ہیں۔ اس لئے کسی ایک فریق کو قطعیت کے ساتھ غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دلائل کے اعتبار سے جمہور علماء کی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے یعنی یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب خون وغیرہ تمام فضلات پاک ہونے کا قول زیادہ قوی ہے ان حضرات کے قول کے مقابلے میں جو فضلات نبوی کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔

جناب تابش صاحب کو فضلاتِ نبوی کے ناپاک ہونے پر اصرار ہے اور انھوں نے اپنے اس مسلک کو قطعیت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، ان کا استدلال قرآن مجید سورۂ نحل سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی آیات پاک سے ہے۔ آنجناب نے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ ۔ پیش کرتے ہوئے بقیہ دونوں سورتوں کا حوالہ دے دیا ہے اس جگہ ہم چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اول یہ کہ مصنف ایک مطالعہ نے سورۂ نحل کی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ غلط کیا ہے اور اس غلط ترجمہ کی نسبت حضرت تھانویؒ کی طرف کی ہے تابش صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"تم پر مُردوں کو حرام کیا ہے اور خون کو، اور خنزیر کے گوشت کو" ایک مطالعہ ص ۳۵

اس ترجمہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مصنف ایک مطالعہ عربی زبان پر قادر نہیں ہیں۔ عربی میں دو لفظ ہیں "مَیِّت اور مَیْتَة" (مَیِّت کے معنی مُردہ کے ہیں، یعنی اس لفظ کا استعمال ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے اور مَیْتَة کے معنی مُردار کے ہیں اس کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے ہوتا ہے۔

مُصنف نے آیت بالا میں میتۃ کا ترجمہ مُردوں سے کرکے غیر مرئی امر کا ثبوت بہم پہنچایا ہے ورنہ حضرت تھانوی رح اور تمام مترجمین نے مردار ہی ترجمہ کیا ہے مردہ اور مردار میں بڑا فرق ہے جسکو معمولی آدمی بھی سمجھتا ہے۔

بہرحال گفتگو سرور کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پر ہو رہی تھی۔ مصنفِ ایک مطالعہ کی دلیل بھی ہم پیش کر چکے دراصل انھیں حکایاتِ صحابہ رض کے صفحہ ۱۷۲-۱۷۳ پر مندرج دو واقعات پر اعتراض ہے پہلے واقعہ میں مذکور ہے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ عبداللہ بن زبیر رض کو کہیں دبانے کے لئے دیدیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض نے وہ خون کچھ دور لیجا کر پی لیا اور واپس آکر حضور ص کو اس کی خبر بھی کردی۔ اس پر اُن کو دوزخ کی آگ سے حفاظت کی بشارت سُنائی گئی۔

دوسرا واقعہ غزوۂ اُحد میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہو کر لہو لہان ہونے کا ہے اس واقعہ میں مالک ابن سنان رض کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ مبارک چوسنے کا اور اس پر جہنم کی آگ سے بری ہونے کی بشارت ملنے کا تذکرہ ہے یہ دونوں قصّے ذکر کرکے حضرت شیخ الحدیث رح نے فائدہ کے تحت تحریر فرمایا ہے۔

> "حضور ص کے فضلات، پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں؛ اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔"

جناب تابش صاحب کو حضرت شیخ رح کے نقل کردہ دونوں واقعات سے بھی اختلاف ہے اور فائدہ کے تحت لکھی ہوئی عبارت سے بھی۔ چنانچہ وہ سورۂ نحل وغیرہ کی آیات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس معاملہ میں قرآن یا حدیث کا صریح حکم موجود ہو اسمیں کسی قسم کی تاویل و منطق کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قرآن کی روٗ سے خون ہمیشہ ہمیشہ۔ اور ہر فردِ بشر کیلئے حرام ہے۔
ایک مطالعہ ص ۳۶

مُصنّف و ناقد محترم کی دلیل بظاہر بڑی پختہ اور مضبوط معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت مغالطہ انگیزی اور فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔ حضراتِ قارئین اس بات سے ناواقف نہ ہونگے کہ حضور پاک ؐ کے لئے بعض باتیں جائز ہیں لیکن اُمّت کے لئے وہی باتیں ناجائز وحرام قرار دی گئیں ہیں۔ مثلاً اُمّتی کے لئے بہ یک وقت چار سے زائد بیویاں حرام ہیں لیکن حضور ؐ کے لئے جائز۔ اس قسم کی باتوں کو تمام سیرت نگار حضرات نے خصوصیاتِ نبوی میں شمار کیا ہے چنانچہ جمہورِ علمائے اہلِ سُنّت حضور ؐ کے فضلات کے طاہر ہونے کے قائل ہیں اور اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بتاتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رح نے "کتب فضائل پر اشکالات اور اُن کے جوابات" میں اس اعتراض پر مفصّل بحث فرمائی ہے ہم اسکا خلاصہ مختصر الفاظ میں لکھ دیتے ہیں سب سے پہلے ہم اُن بعض اکابر علماء کا نام بتادینا ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں جو فضلاتِ نبوی ؐ کو پاک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث رح نے جو چند نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ رح ۲۔ علامہ شامی حنفی رح ۳۔ علامہ عینی رح حنفی شارح بخاری ۴۔ علامہ بیری رح ۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح شافعی ۶۔ قاضی عیاض مالکی رح ۷۔ مُلّا علی قاری رح حنفی رح۔ یہ سب حضرات قرآن وحدیث کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضور ؐ کے فُضلات پاک ہیں جمہور نے اِسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

شامی حنفی فقہ کی نہایت معتبر کتاب ہے اس کے صفحہ ۲۳۳ جلد اول پر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔ جس کا ہم صرف ترجمہ لکھتے ہیں۔ "بعض ائمۂ شافعیہ نے حضورؐ کے پیشاب اور آپ کے تمام فضلات کے پاک ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینی کی شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے۔ شرح اشباہ میں علامہ بیریؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے فضلات کی طہارت پر دلائل بہت زیادہ ہیں۔ تمام ائمہؒ نے اس بات کو حضور کی خصوصیتوں میں شمار کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ جو بہت بڑے حنفی عالم ہیں۔ شمائل ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں۔" ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہمارے تمام ائمۂ متقدمین" وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی پاکی پر استدلال کیا ہے۔ اور یہی مسلک مختار ہے اور تمام متاخرین فقہا کے مسلک کے موافق ہے اس مسلک پر دلائل بہت کثرت سے احادیث میں موجود ہیں اس کو ائمہؒ نے حضور کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور اسکی وجہ آپ کا جوفِ مبارک چاک کرکے آپ کے باطن کو دھونا بتائی ہے۔"

نالش صاحب کی فریب کاری سے پردہ اٹھانے کے لیے مذکورہ بالا سطور کافی ہیں اگرچہ اس مسئلے پر اور بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہم اب اس کو طول دینا نہیں چاہتے محترم ناقد صاحب نے اعتراض کی آخری سطروں میں حضرت شیخؒ کے خلفا کو چیلنج کیا ہے۔ کہ وہ اس بات کی نشاندہی کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی پاکی کا قول حضرت شیخؒ نے کہاں سے اخذ کیا ہے۔ انھیں کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلفاء کو مخاطب کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔

" وہ کسی مستند حوالے سے کم از کم ایسے کسی ایک ہی صحابی کی نشاندہی فرمادیں،

جس نے آپ کے فضلات، پاخانہ پیشاب وغیرہ نوشِ جان فرما کر
اُمت کے لئے اس کے پاک اور حلال ہونے کا ثبوت پیش کیا ہو۔
ایک مطالعہ ص ۳۹

ہم حضرت شیخ کے خلفاء میں ہونا تو درکنار آپ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں لیکن آپ کے درس و مجالس مبارکہ میں شرکت کی سعادت ضرور نصیب ہوئی ہے اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث رح سے خاص قسم کا قلبی لگاؤ بھی ہے اس لئے تابش صاحب کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اسکا جواب دیتے ہیں کہ قاضی عیاض رح "مالکی" مذہب کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ ان کی ایک کتاب "شفا" اہلِ علم میں کافی مقبول و مستند مانی جاتی ہے۔ اپنی اس کتاب میں انہوں نے ایک نہیں بلکہ متعدد روایتیں صحابہ کرام رض کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خون اور پیشاب پینے کی نقل فرمائی ہیں شفاء کے علاوہ یہ واقعات مواہبِ لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی کے ص ۲۳۳ جلد چہارم پر بھی موجود ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

نواں دھوکا

بعنوان: "ایک صحابیہ رض کا تقدس مشکوک"

حکایات صحابہ ص ۱۲۷ باب نمبر ۱ میں پندرہواں قصہ اُمِ حکیم رض بنت حارث کا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عکرمہ رض بن ابو جہل کی بیوی تھیں۔ مکہ فتح ہونے کے بعد مسلمان ہوئیں۔ شوہر اپنے باپ ابو جہل کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہ ہوئے بعد میں بیوی کی ترغیب پر مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں روم کی لڑائی میں دونوں میاں بیوی شریک تھے۔ ام حکیم رضؓ کے شوہر حضرت عکرمہ رضؓ اس لڑائی میں جس کا تاریخی نام " جنگ یرموک " ہے شہید ہو گئے۔ تو خالد بن سعید رضؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اور اسی سفر میں مرج الصفّر نامی جگہ میں رخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے دشمنوں کے جمگھٹے کا عذر ظاہر کیا، لیکن جب شوہر خالد بن سعید رضؓ نے اس جنگ میں اپنے شہید ہونے کا یقین ظاہر کیا تو وہ خاموش ہو گئیں اور وہیں ایک خیمے میں رخصتی ہو گئی۔" جناب ناقدِ محترم نے رخصتی ہونے تک کا واقعہ حضرت شیخ رحؒ کے الفاظ میں لکھنے کے بعد اپنی کتاب کے قارئین کو حضرت شیخ رحؒ کے ایک جملہ کی طرف مزید متوجہ کرنا چاہا ہے وہ جملہ یہ ہے۔

"حضرت عکرمہ رضؓ اس میں شہید ہوئے تو خالد بن سعید رضؓ نے ان سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں مرج الصفر ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا۔"

اس واقعہ پر جناب تابش صاحب کو مندرجہ ذیل اعتراضات ہیں۔

(۱) یہ واقعہ دورِ صدیقی کا ہے جبکہ شریعت مکمل ہو چکی تھی لہٰذا اس وقت عدت کا حکم صاف اور واضح طور نافذ ہو چکا تھا۔ تو پہلے شوہر کے شہید ہوتے ہی حضرت ام حکیم رضؓ نے دوسرے صاحب سے نکاح کر لیا تو عدت کس طرح پوری کی گئی ہو گی۔

(۲) حضرت شیخ رحؒ کی عبارت غیر واضح ہونے کی وجہ سے ایک صحابی اور صحابیہ کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔ اور ان پر ایک خلاف شریعت عمل (یعنی عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح کر لینے) کا الزام عائد ہوتا ہے۔

(۳) حضرت خالد بن سعید رضؓ کی بڑی گندی تصویر سامنے آ رہی ہے کہ وہ اس درجہ مغلوب الہوس تھے کہ شہادت کا یقین ہو جانے کے باوجود خلوت پر اصرار کرتے رہے

(۴) یہ روایت بلا تردد عوام الناس کو جماعتِ صحابہ سے بدظن اور متنفر کرنیکا موقع فراہم کر رہی ہے۔ (مفہوم ایک مطالعہ صہ ۴)

قارئین ان چاروں اشکالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت شیخ ؒ کا تحریر کردہ واقعہ حکایاتِ صحابہ میں پڑھ لیں اور غور کریں کہ کیا ان کے ذہن میں بھی ایک صحابی اور صحابیہ رضؓ کی وہی تصویر آتی ہے جس کی نقاشی تابش صاحب نے کی ہے ؟ ہمارا خیال ہے کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان اور منصف مزاج قاری اس واقعہ سے وہ تأثر ہرگز نہیں لے سکتا جو تابش صاحب نے دینا چاہا ہے کیونکہ حضرت شیخ ؒ کی عبارت میں غلط تأثر دینے والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے حضرت شیخ ؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" حضرت عکرمہ رضؓ اُس جنگ میں شہید ہوگئے تو خالد بن سعید نے ان سے نکاح کر لیا۔"

لیکن ناقدِ محترم لکھ رہے ہیں کہ۔

> جب پہلے شوہر حضرت عکرمہ رضؓ کے شہید ہوتے ہی حضرت ام حکیم رضؓ نے دوسرے صاحب سے نکاح کر لیا تو عدت کس طرح پوری کی گئی ہوگی۔ ؟

ناظرین حکایاتِ صحابہ سے یہ واقعہ متعدد بار پڑھ کر بتائیں کہ اس میں عکرمہ رضؓ کے شہید ہوتے ہی نکاح کر لینے کا ذکر ہے ہرگز نہیں بلکہ اس عبارت سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عکرمہ رضؓ کی شہادت کے بعد نکاح ہوا ہے کتنے عرصے بعد ہوا یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے۔

نکاح ایک شرعی اصطلاح ہے اور اس کے قواعد ضوابط اور احکام و مسائل قرآن وحدیث میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ کنواری، بیوہ اور طلاق والی ہر ایک سے نکاح کے احکام میں کچھ فرق ہے کنواری دوشیزہ سے نکاح ہونیکا مطلب یہ ہوگا کہ مہر متعین کر کے

کم از کم دو شرعی گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہوا ہے لیکن بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کا تذکرہ ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مہر اور گواہوں کے علاوہ عدت گزرنے کے بعد نکاح ہوا کیونکہ لفظِ نکاح اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے اور صرف اس لفظ کے ذکر کر دینے سے اس کے لوازم و ضوابط خود ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

مثلاً اگر کوئی عورت اپنے کسی بزرگ کو خط کے ذریعے مطلع کرے کہ "میرے شوہر کا انتقال ہوگیا اور میں نے فلاں آدمی سے نکاح ثانی کر لیا۔"..... اس جملے سے (تابش صاحب کے علاوہ) کوئی بھی یہ نہیں سمجھے گا کہ پہلے شوہر کے انتقال کے فوراً بعد عدت پوری کئے بغیر ہی نکاحِ ثانی کر لیا گیا جبکہ اطلاع دینے والی دیندار بھی ہو۔

مذکورہ بالا سطور تابش صاحب کے پہلے اور دوسرے اشکال کے لئے کافی ہیں تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ تابش صاحب اور ان کے ہم مشربوں کے سامنے کسی صحابی رسول کی گندی تصویر آنا انہی کا حصہ ہے چنانچہ جس کو بھی اس قسم کی تصویریں دیکھنا ہو وہ خلافت و ملوکیت کا مطالعہ کرے ہم کو تو قرآن و حدیث میں صحابۂ کرام کی اچھی خوبصورت تصاویر دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے جہاں بھی صحابۂ کرام کی مقدس ہستیوں کے مجروح ہونے کا امکان ہوگا ہم اہل سنت والجماعت وہاں یہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے کہ ثابت شدہ واقعہ ہی کا انکار کر دیں بلکہ ہمارا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ واقعہ کو تسلیم کر کے اس کی عمدہ تاویل یا توجیہہ کریں گے۔ مثلاً زیر بحث خالد بن سعیدؓ کے واقعہ کی یہ توجیہہ ہو سکتی ہے کہ (۱) انہوں نے باوجود شہادت کا یقین ہو جانے کے محض سنت نبوی کی ادائیگی کے لئے نکاح کیا ہوگا۔ نکاح کے بعد بیوی کے حقوق ادا کرنا شوہر پر واجب ہو جاتا ہے ظاہر بات ہے کہ جنسی تسکین بھی بیوی کا حق ہے جس کو ادا کرنے

کے لئے حضرت خالد بن سعیدؓ نے رخصتی پر اصرار کیا۔ (۲) اسکا بھی امکان ہے کہ انہوں نے اولاد کی خواہش میں نکاح کرنے کے شہادت کے یقین کے باوجود خلوت پر اصرار کیا ہو۔ یہ ایسی توجیہات ہیں جن سے صحابی وصحابیہ کا نہ تو تقدس مشکوک ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی غلط تصویر سامنے آتی ہے۔

چوتھا اعتراض اس روایت پر ناقد محترم کو یہ تھا۔ ...

یہ روایت عوام الناس کو جماعت صحابہ سے بدظن اور متنفر کرنیکا موقع فراہم کر رہی ہے"۔

ان کو اپنے اس دعوے پر اتنا پختہ یقین ہے کہ انھوں نے اس دعوے کی ابتدا لفظ لاریب سے کی ہے۔ مذکورہ بالا روایت یا قصہ حکایات صحابہ کا ہے یہ رسالہ ۱۳۷۵ھ میں لکھا گیا۔ یعنی آج سے تقریباً تیس ۳۰ سال قبل۔ ان تیس برسوں میں ہر جگہ اور ہر ملک میں یہ رسالہ عوام الناس کے سامنے متعدد بار پڑھا گیا ہوگا لہٰذا عوام الناس نے امّ حکیمؓ اور خالد بن سعیدؓ کے واقعہ کو بھی متعدد بار سنا ہوگا اتنے طویل عرصے تک مسلسل یہ واقعات سننے کے باوجود کسی بھی جگہ کے کسی عامی مسلمان کو صحابہ کرامؓ سے بدظنی اور نفرت پیدا نہیں ہوئی یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس سے کوئی ہوش مند انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ محض تابش صاحب کی ذہنی اُپج ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

دسواں ۱۰ دھوکا بعنوان "ایک اور مغالطہ انگیز روایت"

حضرت شیخ الحدیثؒ نے حکایات صحابہ میں دو قصے حضرت حنظلہؓ کے لکھے ہیں۔

پہلا قصہ صفحہ ۳۷ پر اور دوسرا صفحہ ۵۷ پر ہے صفحہ ۳۷ کے قصے میں خود حضرت حنظلہؓ اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے وعظ سے قلوب نرم آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور ہمیں اپنی حقیقت معلوم ہوگئی لیکن جب ہم اپنے گھروں کو چلے گئے بیوی بچوں سے ہنسی مذاق شروع ہوگیا تو یہ کیفیت باقی نہیں رہی صفحہ ۵۷ ۔ کا واقعہ بھی حضرت حنظلہؓ ہی کا ہے اسمیں ان کی نئی شادی کا اور پہلے غسل جنابت کا ذکر ہے حالتِ جنابت میں ہی غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست کا حال سُن کر غزوہ میں شریک ہوئے اور اسی حالتِ جنابت میں شہید ہوگئے ۔

محترم تابش صاحب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ ایک ہی شخص کو پہلی روایت میں بچوں سے ہنستے بولتے اور بیوی سے مذاق کرتے دکھایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اسی شخص کے بارے میں پہلی ہی مباشرت کا غسل کیے بغیر شہید ہونا بتایا جارہا ہے تابش صاحب کے نزدیک یہ تضاد بیانی ہے جس کے نتیجہ میں تاریخ کا چہرہ مسخ اور صحابۂ کرام کی عظمت غبار آلود ہونا یقینی ہے ۔ چنانچہ مصنف تحریر فرماتے ہیں ۔

> کیا اس تضاد بیانی سے تاریخ کا چہرہ مسخ نہیں ہوتا ۔ اور کیا اس قسم کے مغالطہ انگیز اور مبہم روایتوں سے صحابۂ کرام کی عظمت غبار آلود نہیں ہوتی ؟
>
> ایک مطالعہ صفحہ ۴۲

ہمیں ناقد محترم کے مبلغ علم اور عقل وفہم پر تعجب ہو رہا ہے اتنا لمبا چوڑا دعویٰ کرنے کے باوجود انھیں صحابۂ کرام کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہیں ہم اس مسئلے کو صاف کیے دیتے ہیں ۔

۱ ۔ صحابۂ کرام میں " حنظلہ " نام کے متعدد حضرات گذرے ہیں ۔

۲۔ حکایات صحابہ میں جو دو قصّے لکھے ہیں۔ وہ ایک شخص کے نہیں ہیں ص۳۷ والے حنظلہؓ دوسرے تھے۔ اور ص۷۵ والے دوسرے
مشکوٰۃ شریف کے آخر میں اسماء الرجال کی بحث میں پہلے حنظلہ کے بارے میں لکھا ہے۔

ھو حنظلہ بن الربیع التیمی	یہ حنظلہ بن ربیع تیمی ہیں۔ ان کو کاتب کہا جاتا تھا
یقال لہ الکاتب لانہ یکتب الوحی	کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لکھا کرتے تھے۔ یہ مکّہ منتقل ہو گئے تھے پھر
وانتقل الی مکۃ ثم خرج منھا	وہاں سے بھی نکل کر ایک دیہات میں بس گئے تھے
الی قریبًا وسکنھا ومات فی زمن	ان کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت
معاویہ۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۹	میں ہوا۔

دوسرے حنظلہ کا پورا نام حنظلہ بن عامر بن صفی تھا اور یہ غسیل الملائکہ سے مشہور ہیں۔ (دیکھئے الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ص۳۶)
اِس تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں حنظلہ الگ الگ اشخاص کے نام تھے اور دونوں کا زمانہ بھی مختلف رہا۔ غسیل الملائکۃ حنظلہؓ بن عامر تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی غزوۂ اُحد کے موقع پر حالت جنابت میں شہید ہو گئے تھے ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اس لئے غسیل ملائکہ کہلائے۔
اور حنظلہ بن ربیع جن کو اپنے منافق ہونے کا گمان ہو گیا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور تک زندہ رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ جب دونوں کا الگ الگ شخصیت ہونا معلوم ہو گیا تو

تابش صاحب کے اعتراض کی حیثیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تابش صاحب کو اتنی سطحی معلومات ہونے کے باوجود اتنا گھمنڈ ہے کہ وہ یہ تبصرہ کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے۔

> راقم الحروف کی رائے میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ لکھنے کے عادی تھے ان کی کونسی بات کیا رُخ اختیار کر رہی ہے یا اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ اس کا بالکل پاس و لحاظ نہیں رکھ پاتے تھے۔ ایک مطالعہ صـ۴۲

واضح رہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے صـ۳۷ والا حضرت حنظلہؓ کا پہلا قصہ مسلم شریف کی روایت سے اور دوسرا صـ۴۵ والا قرۃ العیون کے حوالے سے نقل کیا ہے اور دونوں کتابیں اہلِ حق کے نزدیک معتبر و مستند ہیں۔ سُطُور بالا پڑھ کر قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ کون بغیر سوچے سمجھے لکھنے کا عادی ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ یا تابش مہدی صاحب؟ اور کیا تابش صاحب کا مذکورہ اعتراض دھوکہ دہی اور مغالطہ انگیزی کے سوا کچھ ہو سکتا ہے۔؟

گیارھواں دھوکا بعنوان "یہ اُن کی شان سے بعید ہے"

یہ تابش صاحب کی کتاب" ایک مطالعہ" کے صـ۴۳ کا عنوان ہے اس کے تحت اول انہوں نے ایک طویل تقریر کی ہے جس کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب یہ ہے کہ

(۱) " اسلام ایک فطری اور آسان دین ہے جو انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

۲ اس مذہب میں بہت سی رعایتیں (رخصتیں) دی گئیں ہیں۔
۳ اِن رعایتوں پر عمل نہ کرنا تقویٰ و دینداری نہیں بلکہ نادانی حماقت و جہالت ہے
۴ صحابۂ کرام نے ان رعایتوں و سہولتوں پر پابندی سے عمل کیا۔ صفحہ ۴۳-۴۴
آگے چل کر صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں۔
۵ حضرت ابنِ عباسؓ داعیٔ اسلام تھے اور جانتے تھے کہ خود کو مشکل میں ڈالنا بڑی غلطی ہے۔
۶ رخصت کے ہوتے ہوئے عزیمت پر عمل کرنا خودکشی ہے جو صریحاً حرام ہے۔

اب ناظرین کرام ذرا یہ بھی جان لیں کہ جناب معترض کا اعتراض کیا ہے۔

> حکایاتِ صحابہؓ کے صفحہ ۶۱ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قصہ درج ہے کہ ان کی آنکھ میں پانی اُتر آیا جس کو ہندی زبان میں موتیا بند کی بیماری کہتے ہیں اَطباء نے ان کی آنکھ کا علاج کرنا چاہا لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگادی کہ پانچ دن تک نماز میں زمین کے بجائے کسی اونچی جگہ پر سجدہ کرنا ہوگا.....
> حضرت ابنِ عباسؓ نے پُر زور انداز میں انکار فرما دیا اور ترکِ نماز پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید بیان فرمائی ۔

یہ قصہ دُرِّ منثور کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے یہ اتنی مستند کتاب ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے محتاط عالم نے اپنی معروف تفسیر بیان القرآن' میں جا بجا اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں اور معتبر مانا ہے لیکن تابش صاحب بلا تحقیق محض حضرت شیخؒ پر تنقید کرنے کے لئے دُرِّ منثور کو "معمولی" اور غیر مستند کتابوں میں شمار کر رہے ہیں، اللہ رحم کرے مولانا مودودی مرحوم پر

انہوں نے اِن بیچاروں کا ذہن یہ بنایا ہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ ہر کتاب غیر مستند ہے اور رسولِ خدا کے سوا کوئی تنقید سے بالاتر نہیں، چاہے وہ تنقید تابش مہدی کی تنقید کی طرح بے سروپا ہی کیوں نہ ہو۔ اقامتِ دین کے لئے اس جذبۂ تنقید کی تکمیل ضروری ہے اب ہم معترض کے اعتراضات کے جوابات لکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم دونوں ہی حدیث کی نہایت درجہ مستند کتابیں ہیں۔ دونوں ہی کتابوں میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضؓ سے روایت منقول ہے، امام بخاری نے باب قائم کیا ہے۔ "بَابُ قِیَامِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللَّیْلَ حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاہُ" اس باب کے تحت حضرتِ مغیرہ ابنِ شعبہؓ سے مروی حدیث بیان فرمائی ہے جس کا ہم صرف ترجمہ لکھتے ہیں حضرتِ مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر طویل قیام فرمایا کہ آپ کے قدمِ مبارک متورم ہو گئے ...... تو آپ سے عرض کیا گیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسکا اعلان فرما کر آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے) آپ نے ارشاد فرمایا " تو کیا میں (اُس کے احسانِ عظیم کا زیادہ شکر کرنیوالا بندہ نہ بنوں (اور اس شکر گذاری میں اسکی اور زیادہ عبادت نہ کروں۔

(بخاری شریف ص ۱۵۲ ج ۱) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۹ - ص ۱۰۸)

دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے اس کے راوی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی اور وہ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی یہ آیت تھی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیۃ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۰۷ بحوالہ سنن نسائی و ابنِ ماجہ)

بطورِ نمونہ ہم صرف دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ حدیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد میں مشقت اٹھانا اتنی کثرت سے مذکور ہے کہ اس کا احاطہ یہاں دشوار ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تکلیف اور مشقت اٹھانے کی کیا

ضرورت تھی ؟ کیا آپ کو دین کے آسان ہونے، اسمیں بہت کچھ سہولت و گنجائش ہونے کا علم نہیں تھا ؟ آپ نے دینِ فطرت کی رعایتوں پر عمل نہیں فرمایا تو کیا آپ کا بھی یہ فعل تقویٰ و دینداری کے بجائے خودکشی نادانی حماقت وجہالت میں شمار ہوگا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

حضور پاک ؐ نے اپنے قول و عمل سے نماز کی ایسی اہمیت صحابہ کرام ؓ کے قلوب میں پیوست کردی تھی کہ ان کو صرف نماز چھوڑنا ہی مشکل نہیں ہوگیا تھا بلکہ معذوروں کی طرح پڑھنا بھی ایسا ہی مشکل تھا لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے معذوروں کے طریقے پر نماز پڑھنے کے خوف سے آنکھ نہیں بنوائی تو اس میں کوئی اشکال نہیں بلکہ یہ اُن حضرات کی شان کے عین مطابق ہے۔

بارھواں ۱۲ دھوکا بعنوان "یہ بھی اتہام ہے"

ارشادِ خداوندی " نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد " ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" (ترجمہ تابش مہدی) کو دلیل بنا کر مصنف ایک مطالعہ فرماتے ہیں۔

> تعلیماتِ قرآنی سبھی یہی ہے کہ جو کچھ مانگنا ہو براہ راست خدا سے مانگا جائے اسمیں کسی بھی قسم کا ذریعہ یا وسیلہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔
> ایک مطالعہ ص ۴۵

کچھ سطروں کے بعد صفحہ ۴۶ پر ارشاد ہوتا ہے

> خدا کے نزدیک عَبْدُاللہ، زبیر، زَید، بکر سب کے سب برابر ہیں، اسکے لئے کسی سہارے یا توسط کی ضرورت نہیں ہے۔"

دعا میں وسیلے کی بحث لانے کی ضرورت تابش صاحب کو اس لیے پیش آئی کہ انھیں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے نقل کردہ اس جملے پر تنقید کرنا ہے۔ " کہتے ہیں کہ جب کوئی دقت پیش آتی تو میں کہتا اے زبیر کے مولیٰ، فلاں کام نہیں ہوتا وہ فوراً ہوجاتا۔" (حکایات صحابہ ص۲۴۷)

جناب تابش صاحب اقامتِ دین کے مدعی ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ "خدا کے نزدیک عبداللہ، زُبیرؔ، زیدؔ، بکر سب برابر ہیں"

لیکن اس کے مقابل اس ذاتِ گرامی کا جس نے اقامتِ دین عملاً کرکے بتادیا۔ ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ کے بہت سے بندے دنیاوی اعتبار سے کوئی مقام نہیں رکھتے لیکن اللہ کے نزدیک انکا اتنا بلند مقام ہوتا ہے کہ " لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ " اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری فرمادے۔ (مسلم شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تابش صاحب جیسوں کے نزدیک توسب برابر ہیں لیکن مذکورہ بالا حدیث اور قرآنی آیت اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (الآیۃ) بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز تم میں سب سے زیادہ متقی ہے (سورۂ حجرات پارہ ۲۶) اور اس کے علاوہ متعدد آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک لوگوں کے درجات مختلف ہیں سب برابر نہیں۔

دعا میں وسیلے کی بحث شروع کرنے سے قبل ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی مستقل ایک فرقہ ہے جو براہِ راست قرآن و حدیث پر عمل کا مدعی ہے حالانکہ قرآن و حدیث سمجھنے کی علمی صلاحیت ان میں ہے ہی نہیں۔ جناب تابش صاحب بھی قصبۂ دیوبند میں تن تنہا جماعتِ اسلامی کے رکن ہیں جماعتِ اسلامی دعا میں کسی کے وسیلے کو ناجائز کہتی ہے تابش مہدی صاحب اپنی جماعت سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر توسل کو شرک یا قریب بشرک فرما رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

بلا شبہ یہ ایک غلط اور شرک کو فروغ دینے والی روایت ہے اس سے عوام کی متاعِ توحید لٹنے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے۔ الخ
ایک مطالعہ ص ۴۶

لیکن

اہل سنّت والجماعت کے نزدیک

انبیاء و اولیاء اور اعمال صالحہ کے توسل سے دعا کرنا مستحب ہے احادیثِ پاک سے بھی توسل کا استحباب یا کم از کم جواز ملتا ہے۔

زندہ بزرگوں کا توسّل

بخاری شریف میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ جب ہم پر قحط نازل ہوتا تھا تو حضرت عمر رضؓ حضرت عباس بن عبد المطلب رضؓ کے وسیلے سے بارش کی دعا فرماتے تھے اور یہ الفاظ کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تجھ سے دعا کرتے تھے تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر بارش نازل فرما دے، راوی حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ اس دعا سے بارش ہو جاتی تھی۔ بخاری شریف جلد نمبر ا ص ۱۳۷) اس حدیثِ پاک میں اوّل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔

اعمالِ صالحہ کا توسل

بخاری و مسلم میں بنی اسرائیل کے تین اشخاص کا قصّہ بڑی تفصیل سے آیا ہے وہ تینوں کہیں جارہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی انہوں نے کسی پہاڑ کی غار میں پناہ لی۔ ایک بڑی چٹان گری اور غار کا منہ بند ہوگیا اور ان کے باہر نکلنے کی راہ مسدود ہوگئی۔ تینوں نے اپنے اپنے عملِ صالح کے وسیلے سے دعا کی اور بتدریج وہ چٹّان ہٹتی گئی۔ اور انکو اس ناگہانی قید سے نجات ملی۔ پورا قصّہ تفصیل کے ساتھ بخاری و مسلم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا اعمالِ صالحہ کے وسیلے سے کرنا مستحب اور دعا کی قبولیت میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ غرض متعدد احادیث شریفہ کی وجہ سے اہل سنّت والجماعت دعا میں وسیلے کو جائز و مستحب قرار دیتے ہیں۔ اب ہمارے قارئین جناب معترض صاحب کا حکایاتِ صحابہؓ ص۱۴۳ سے نقل کردہ جملہ دوبارہ پڑھ لیں۔

"عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقت پیش آتی تو میں کہتا "اے زبیرؓ کے مولا فلاں کام نہیں ہوتا وہ فوراً ہو جاتا۔"

یہ جملہ نہ گمراہ کُن ہے نہ متاعِ توحید کو لُٹانے اور شرک کو فروغ دینے والا بلکہ اس سے صرف یہی معلوم ہو رہا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ مشکل کے وقت حضرت زبیرؓ کے توسل سے دعا کرتے تھے اور ان کی مشکل دور ہو جاتی تھی۔ ہم سطور بالا میں توسل کا ثبوت بیان کر چکے ہیں اور تابش صاحب کی فریب کاری کو کھول کر بیان کر دیا ہے یہاں تک حکایاتِ صحابہ کے بارے میں دھوکا دہی کی کوشش کی گئی تھی۔ اب ذرا فضائل نماز کے بارے میں فریب کاریاں ملاحظہ فرمائیے۔

فضائلِ نماز کے بارے میں فریب کاریاں

تیرھواں[13] دھوکا بعنوان "خدائی انتظام میں بھی بھول چوک"

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائلِ نماز کے شروع اوراق میں صحابۂ کرامؓ کے چند واقعات ذکر کئے ہیں جن کا حال یہ تھا کہ یہ مقدس حضرات ہر مصیبت و پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے

فضائلِ نماز ص۱ پر حضرت امّ کلثومؓ کے خاوند حضرت عبدالرحمٰنؓ کا قصہ ہے کہ آپ کی حالت بیماری میں سکتہ کی سی ہوگئی۔ گھر والوں نے سمجھا وفات پاچکے۔ اُمّ کلثومؓ نے نماز کی نیت باندھ لی، اس عرصہ میں حضرت عبدالرحمٰن کو افاقہ ہوگیا انہوں نے دو فرشتوں کے آنے کا اور اُن سے بارگاہِ خداوندی میں چلنے کو کہنے کا ذکر کیا لیکن پھر تیسرے فرشتے کا آکر دونوں فرشتوں کو اس فعل سے روک دینے کا بھی ذکر کیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد حضرت عبدالرحمٰن کا انتقال فرمانا بھی قصہ میں مذکور ہے۔ جناب تابش صاحب نے اس قصے کو من گھڑت روایت قرار دے کر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے ہیں۔

۱۔ موت و زندگی کا مالک خدا ہے جس کے لئے جو وقت مقرر ہوچکا ہے وہ اسی وقت ہوگا۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے معاملات بھی اپنے وقتِ مقررہ پر ہوں گے۔

۲۔ خدائی انتظام میں بھول چوک، خطا و نسیان کا امکان ہی نہیں۔

۳۔ اس قسم کی روایات سے شیرازۂ توحید پارہ پارہ ہوجاتا ہے (۴) یہ روایت خدائے عزّ و جلّ کی شان میں ناقابلِ معافی گستاخی ہے۔ (ایک مطالعہ ص۹۴ تا ۹۶ کا خلاصہ

جواباً عرض ہے کہ من گھڑت اس روایت کو کہتے ہیں جو ناقل نے اپنے دل سے بنائی ہو اور جس کا کوئی ثبوت نہ ہو لیکن حضرت شیخ رح نے جو قصہ لکھا ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ درمنثور سے نقل کیا گیا ہے جس کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ اہل حق اس کو معتبر کتب میں شمار کرتے ہیں لہٰذا اس قصے کو من گھڑت کہنا تابش صاحب کی لاعلمی پر دلالت کرتا ہے بشمول تابش صاحب جماعت اسلامی کی اکثریت کے پاس دینی علوم کا بس وہی سرمایہ ہے جو مولانا مودودی اور دیگر اکابر جماعت کی کتب میں ہے یہ لوگ اپنی اس محدود ترین دینی و علمی دنیا سے آگے بڑھ کر سوچ ہی نہیں سکتے اس کے باوجود اس شخص کی کتب پر تنقید کا دعویٰ ہے جس کی پوری عمر احادیث کی خدمت و تحقیق میں گذری تقریباً تمام قارئین جانتے ہوں گے کہ معراج کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف گناہوں پر مختلف قسم کے عذابات میں گرفتار دوزخی لوگ دکھائے گئے نہایت قوی احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے دوسری طرف احادیث صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت یا دوزخ میں داخلہ میدانِ حشر کے حساب کتاب کے بعد ہوگا۔" تابش صاحب کو چاہئے کہ حضور پاک ؐ کے بیان کردہ مشاہدہ معراج کو بھی" مضحکہ خیز اور من گھڑت" قرار دے دیں۔ اور چونکہ آپ نے قبل از وقت عذاب کے مشاہدے کی خبر امت کو دی اس لئے آپ پر بھی خدائی انتظام میں بھول چوک کا الزام لگا کر توحید کا شیرازہ پارہ پارہ کرنیوالا قرار دے دیں۔ کیا تابش صاحب اس کی جرأت کر سکیں گے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

شارحین حدیث نے معراج کے اس مشاہدۂ عذاب کو تمثیلی واقعات و مشاہدات سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مثالی شکلیں عذاب میں گرفتار دکھائی گئیں۔

یہی تاویل حضرت شیخ رح کے نقل کردہ حضرت عبدالرحمٰن رض کے واقعہ میں بھی کی جا سکتی ہے بلکہ معراج کا واقعہ تو حالتِ بیداری میں پیش آیا تھا۔ لیکن عبدالرحمٰن رض کے قصے میں بیداری کا کوئی ذکر نہیں۔ اُن پر "سکتہ" کی سی حالت ہونے کا ذکر صاف موجود ہے کیا تابش صاحب یہ بھی نہیں

جانتے کہ سکتہ کی حالت نیند اور بیہوشی سے بھی شدید ہوتی ہے۔ سکتہ کا لفظ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ آپ کو یہ مشاہدات بیداری کی حالت میں جسم عنصری کے ساتھ نہیں بلکہ خواب یا کشف کی صورت میں روح کے ساتھ پیش آئے ظاہر ہے مکاشفات یا خوابوں پر حکم شرعی نہیں لگایا جا سکتا۔ اہل سنت کے نزدیک تو خواب یا مکاشفہ میں دیدار خداوندی بھی ممکن ہے معلوم نہیں ہمارے ناقد محترم کا شیرازۂ توحید اتنا کمزور کیوں ہے کہ بلاوجہ بھی پارہ پارہ ہوا جا رہا ہے ہم نے بھی اس واقعہ کو بار بار پڑھا ہے، اور ہمارے علاوہ دوسروں نے بھی اس کو متعدد بار پڑھا یا سُنا ہوگا لیکن کسی کا شیرازۂ توحید پارہ پارہ نہیں ہوا۔ زیر بحث روایت میں خدائے عزوجل کی شان میں گستاخی بھی نہیں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے والے کا فہم ہی گستاخ ہے۔

چودھواں دھوکا بعنوان "کیا فیملی پلاننگ جائز ہے"؟

حضرات قارئین عنوان دیکھ کر چونک پڑے ہوں گے کہ فیملی پلاننگ کا ذکر اچانک کیونکر نکل آیا ہم اسکا پس منظر بھی بتائے دیتے ہیں۔

فضائل نماز کے صفحہ ۱۲ پر ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ "بڑا قابل رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو (یعنی اہل وعیال کا زیادہ بوجھ نہ ہو) نماز سے وافر حصہ اسکو ملا ہو، روزی صرف گذارے کے قابل ہو، جس پر صبر کر کے عمر گذار دے۔ اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو۔ گمنامی میں پڑا ہو۔ جلدی سے مرجاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں۔"

یہ حدیث حضرت شیخ الحدیث نے جامع صغیر کے حوالے سے لکھی ہے۔ جامع صغیر کے علاوہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم العالی نے بھی معارف الحدیث جلد ۲ صہ ۸۸ پر اس حدیث کو

مسند احمد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ جامع صغیر علامہ سیوطیؒ کی کتاب ہے علامہ سیوطیؒ دسویں صدی ہجری کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ حضرت مولانا زکریاؒ جیسے عظیم محدث کا اس کتاب سے حدیث نقل کرنے سے خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث ممکن ہے ضعیف ہو، لیکن موضوع نہیں ہے دو بڑے محدثین کی نقل کردہ حدیث کو رد کرنے کے لئے دلیل ضروری ہے بلا دلیل محض عقل کو کسوٹی بنا کر رد کر دینا فن حدیث سے لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ کتب احادیث میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جنمیں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہونے کی نفی کرتی ہے تو دوسری حدیث امام کی قرأت کو مقتدیوں کے لئے کافی بتاتی ہے ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں لیکن دوسری حدیث شانوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتی ہے بعض روایات سے دولت کا فتنہ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن بعض روایتیں مال و دولت کو نعمت قرار دیتی ہیں۔ اس قسم کی بظاہر متضاد حدیثوں میں محدثین نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ ایک کو قبول کر کے دوسری کو رد کر دیا جائے۔ بلکہ دونوں قسم کی احادیث کے ایسے محامل و مواقع بیان فرمائے گئے جن سے تضاد ختم ہوگیا اور ہر حدیث اپنے موقع پر صحیح رہی۔ تابش صاحب نے ماہرین حدیث کے اس طریقے پر عمل نہ کر کے فن حدیث سے اپنی لاعلمی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے انھوں نے حضرت شیخؒ کی مذکورہ بالا روایت کے مقابلے میں ابو داؤد شریف جلد اول صفحہ ۲۸۷ کی ایک روایت عربی متن کے ساتھ نقل کی ہے جس کے راوی معقل بن یسارؓ ہیں کہ (نبیؐ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا۔ میں ایک خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ بچے نہیں جنتی، تو کیا اُس سے شادی کر لوں، آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر دوسری مرتبہ آیا۔ تو آپؐ نے منع فرمایا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپؐ نے فرمایا بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو۔ کیونکہ میں تمام امتوں میں اسی سے فخر کروں گا۔) (ایک مطالعہ صفحہ ۵۰-۴۹)

اصل عربی میں آخری الفاظِ حدیث ہیں۔ تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔"
مصنف ایک مطالعہ نے " وَدُوْد " کا ترجمہ نہیں کیا۔ یہ لفظ مذکر مؤنث کے لئے مشترک ہے یعنی محبت کرنیوالے مرد کو بھی " ودود " کہتے ہیں اور محبت کرنیوالی عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ شاید تابش صاحب کو اس کے معنی معلوم نہیں تھے اس لئے اس کا ترجمہ گول کر گئے۔

ابوداؤد کی روایت کو دلیل بنا کر حضرت شیخ رح کی فضائل نماز والی روایت پر چند اعتراضات کرکے اسکو رد کیا گیا ہے۔ (۱) یہ روایت ابوداؤد کی روایت سے مطابقت نہیں رکھتی بلکہ اسکی تکذیب کرتی ہے (۲) یہ روایت ذاتِ رسول پر صریح بہتان ہے۔ (۳) حضرت شیخ رح کی روایت " حکومتِ ہند کی خاندانی منصوبہ بند مہم" کی تائید و تصویب کرتی ہے (۴) خود حضرت شیخ رح فیمیلی پلاننگ کو جائز سمجھتے تھے اسی لئے ایمرجنسی میں مطالبہ کے باوجود اس کے رد میں کوئی بیان نہیں دیا۔ (۵) اس روایت سے خودکشی کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

محترم تابش صاحب کو ابوداؤد کی روایت اور فضائل نماز کی روایت میں حضرت شیخ رح سے عناد کی وجہ سے تطابق کے بجائے تضاد نظر آرہا ہے ہم اس تضاد کو ختم کرکے دونوں روایتوں میں تطابق کئے دیتے ہیں۔ ہر زمانے میں اسلام کے پیروکار دو قسم کے افراد رہے ہیں۔ امراء اور غرباء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں غرباء کی تعداد زیادہ تھی بلکہ اصحابِ صُفّہ کا تو یہ حال تھا کہ کئی کئی دن فاقوں میں گذر جاتے تھے نہ کھانے کا مستقل انتظام تھا نہ رہنے کے لئے مکان، مسجد نبوی ہی انکا مسکن تھا، حضرت عثمان غنی رض حضرت عبدالرحمن بن عوف رض اور بعض دیگر صحابہ رض جو متمول صحابہ میں سے تھے اصحابِ صُفّہ اور دیگر غریب مسلمان افلاس کی وجہ سے نکاح نہیں کرسکتے تھے، فضائل نماز کی حدیث انہی جیسوں کے لیے بشارت ہے اور ابوداؤد کی روایت ان مسلمانوں کے لئے ہے جو نکاح کی طاقت رکھتے

ہیں۔ حضورؐ نے ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ بچے پیدا کر سکنے والی عورتوں سے نکاح کریں۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے آدمی نکاح کرتا ہے لیکن اولاد سے یا تو محروم ہی رہتا ہے یا کچھ اولاد ہو کر پیدائش کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو بھی فضائل نماز والی روایت مطلمئن کر کے بشارت سُنا رہی ہے اس کے علاوہ بہت سی صورتیں دونوں حدیثوں میں تطابق کی نکل سکتی ہیں۔ بہرحال دونوں روایتیں اپنے موقع ومحل اور حالات کے اعتبار سے درست ہیں لہٰذا اس کو ذاتِ رسول پر صریح بہتان قرار دینا یا اس سے خاندانی منصوبہ بندی کا جواز نکالنا علم وفہم کی کوتاہی کے سوا کچھ نہیں۔ زیرِ بحث حدیث کے الفاظ " جلدی سے مرجائے " پر تنقید کرتے ہوئے جناب ناقد نے تو کمال ہی کر دیا کہ اسکا یہ خود ساختہ مطلب نکال لیا کہ

> "اگر اسے فطری موت نہ آرہی ہو تو اپنی موت کا از خود اہتمام کرے۔ خود کشی کرے یا کسی ایسے شخص سے جھگڑا مول لے لے جو اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔" ایک مطالعہ ص ۱۵۱

ہم ناظرین سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی فہیم وسنجیدہ آدمی حدیث کے مذکورہ جملے کا یہ مطلب اخذ کر سکتا ہے جو تابش صاحب نے کیا ہے ؟ اور کیا حدیثِ پاک سے اس قسم کے تضحیک آمیز مطالب اخذ کرنا ذاتِ رسول پر صریح بہتان نہیں ہے ؟ اس کو مثال سے سمجھئے ایک نوجوان ہے جو تجریدی زندگی گذار رہا ہے اب اسکا کوئی خیر خواہ یہ مشورہ دیتا ہے کہ "میاں جلدی سے شادی کر لو۔" تو کیا اس مشورہ سے یہ مطلب اخذ کرنا درست ہوگا کہ جائز طریقے پر کوئی عورت نکاح کے لئے راضی نہ ہو تو زبردستی کسی عورت کو پکڑ لاؤ اور داشتہ بنا کر رکھ لو ظاہر بات ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی اس مشورہ سے یہ مطلب اخذ نہیں کر سکتا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ آپ نے باوجود مطالبہ کے خاندانی منصوبہ

بندی کے متعلق کوئی بیان نہیں دیا۔ اس لیے آپ اسکو جائز سمجھتے تھے اول تو یہی معلوم نہیں کہ مطالبہ کرنیوالے کون تھے۔ تھے بھی یا نہیں؟ اگر اسکو مان بھی لیا جائے تو حضرت شیخ کی عادت بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ آپ مسائل کے جوابات خود نہیں دیتے تھے بلکہ دارالافتاء سے رجوع کے لئے فرما دیتے تھے لہٰذا کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

پندرھواں دھوکا بعنوان "یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے"؟

ماجرا جو کچھ بھی ہے، اپنی جگہ بالکل درست، بے غبار صاف شفاف ہے اگر کسی کے علم وفہم کی رسائی اس تک نہ ہو تو یہ قصور ماجرے کا نہیں، بلکہ اسی کا ہے، جس کی سمجھ اس تک نہ پہنچ سکی ہو۔ تعجب ہوتا ہے تابش صاحب پر کہ وہ محض اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر احادیث رسول کو بڑے تمسخرانہ انداز میں "بے سند" روایت لکھتے جارہے ہیں اگر اسی کا نام اقامت دین ہے تو ہم دین کی ایسی اقامت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ایک مطالعہ کے مصنف صاحب نے صفحہ ۵۲ پر، فضائل نماز کے صفحہ ۱۳-۱۴۔ کے حوالے سے یہ روایت نقل فرمائی ہے،

> حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قبیلے کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اُن شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگئے تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہوگئیں۔ ایک

رمضان المبارک کے پورے روزے ان سے زیادہ ہو گئے اور چھ ہزار اتنی رکعتیں نماز کی ان کی بڑھ گئیں۔"

تابش صاحب کو اس روایت کے بے سند و من گھڑت ہونے پر اتنا اعتماد ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

> "راہ حق میں جہاد کرنے والے کی جو کچھ فضیلت قرآن و حدیث میں آئی ہے اس سے ہر مسلمان واقف ہے، ایک شہید کے مقام و مرتبہ کو غیر شہید ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔
>
> اب ذرا فضائل نماز کی یہ بے سند روایت بلا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ (ایک مطالعہ ص۵۲)

اس تمہید کے بعد مذکورہ بالا روایت نقل کی گئی ہے۔ یہ ادّعائی تمہید پڑھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ حضرت شیخؒ کی نقل کردہ روایت ضرور بے سند و موضوع ہو گی لیکن جب ہم نے اسکی تحقیق کی تو تابش صاحب کی فریب کاری پر انگشت بدنداں رہ گئے اور بے ساختہ ہماری زبان سے نکلا۔ **یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے** "ناظرین کرام فضائل نماز کی حدیث نمبر ۷ کے ذیل میں اس حدیث کے متعلق عربی میں لکھی ہوئی تحقیق کا ترجمہ کسی عربی داں سے سن لیں، یقیناً وہ بھی تابش صاحب کی فریب کاری پر مبہوت رہ جائیں گے۔ ہم اس تحقیق کا مختصر خلاصہ لکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علاوہ امام ابن ماجہؒ ابن حبانؒ اور امام بیہقیؒ نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ طلحہؓ سے روایت کیا ہے نیز درمنثور میں امام مالکؒ امام احمدؒ امام نسائیؒ امام ابن خذیمہؒ اور امام حاکمؒ کے حوالے سے اسی کے مثل واقعہ نقل کرکے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عامر بن سعدؓ کا ان کے

والد اور چند صحابہ سے سُنا ہوا اسی قسم کا واقعہ روایت کیا ہے لیکن اسمیں وفات پانے والے صاحب کا شہید کے بجائے بعد میں وفات پانے والے صاحب سے افضل ہونے کا ذکر ہے جو چالیس دن پہلے فوت ہوئے تھے۔ ابو داؤد میں دو صحابہؓ کا قصہ اس طرح ہے کہ ان کی وفات کے درمیان صرف ایک ہفتہ کا فرق تھا۔ بعد میں انتقال پانے والے پہلے جنت میں گئے، حضرت شیخ نے اردو میں بھی کچھ تفصیل بیان کر دی ہے اس کے باوجود تابش صاحب کا اس روایت کو بے سند لکھنا دھوکا دہی اور فریب کاری نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے کہتے ہیں کہ معارف الحدیث جلد دوم ص۱۳۲ - ۱۳۳ / اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۵۱ پر ابو داؤد اور نسائی کے حوالے سے اسی قسم کا قصہ لکھا ہے نیز مشکوٰۃ شریف ص۴۵۱ - ۴۵۲ پر اور معارف الحدیث جلد دوم صفحہ ۱۳۵ - ۱۳۶ پر بھی اسی قسم کا واقعہ مسند احمد کے حوالے سے مذکور ہے۔ لیکن اسمیں تین صحابہ کا ذکر ہے دو صحابہ بالترتیب شہید ہوئے اور تیسرے کچھ عرصے بعد بستر پر وفات پائے۔ لیکن ابو طلحہؓ جنہوں نے ان تینوں کو اپنے گھر ٹھہرانے کی ذمہ داری لی تھی۔ بستر پر مرنے والے صاحب کو پہلے جنت میں داخل ہوتے خواب میں دیکھا۔ پھر بعد میں شہید ہونے والے کو۔ اور آخر میں سب سے پہلے شہید ہونے والے صاحب کو۔ بقیہ تفصیل وہی ہے جو حضرت شیخ نے لکھی ہے یہ حدیث لکھنے کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> راہِ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں تو ان کے ذریعے جو ترقی نصیب ہوتی ہے اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہ خدا کے سپاہی اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے اس لئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے اور بعد کے نماز روزہ وغیرہ،

اعمالِ خیر نے ان کے درجے کو اسقدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا۔ (معارف الحدیث جلد دوم صفحہ ۱۳۴) آگے چل کر مولانا منظور نعمانی دامت برکاتہم اسی جلد کے صفحہ ۱۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "اللہ اگر سمجھ دے تو ان دونوں (عبید بن خالد اور عبداللہ بن شداد رض) سے مروی حدیثوں میں ان جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گذارتے ہیں حالانکہ جہاد اور شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعے اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کیطرف سے اُن کو ہر وقت ملا ہوا ہے وہ اسکی قدر نہیں کرتے اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۔" تابش مہدی کی کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" پڑھ کر ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ کیا اسمیں وہی رنگ نہیں ملتا جس کی نشاندہی حضرت نعمانی صاحب مدظلہم العالی نے سطور بالا میں کی ہے ؟

ایک لطیفہ لکھ کر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ فضائلِ نماز کی زیر بحث حدیث پر بالا پور ضلع اکولہ کی جماعتِ اسلامی کے ایک سورما نے اپنے ہاتھ سے یہ جملہ لکھ دیا تھا کہ " خدا معاف نہ کرے اس حدیث کے گھڑنے والے کو " تابش مہدی صاحب نے اپنی کتاب "ایک مطالعہ" میں جن سے علمی رہنمائی حاصل کرنیکا ذکر کیا ہے اُن میں ایک صاحب رطب علی نام کے بھی ہیں۔ (ایک مطالعہ ص۸ بعنوان سخنہائے گفتنی) رطب علی صاحب بھی جماعت

اسلامی کے ارکان میں سے ہیں۔ ایک شب بعد نمازِ عشاء، درسِ حدیث کے پروگرام کے بعد بالاپور ضلع اکولہ میں اسی زیرِ بحث فضائل نماز کی حدیث کے بارے میں، رطب علی صاحب سے سوال کیا گیا اور جماعتِ اسلامی کے اُن سورما کا لکھا ہوا ریمارک بھی بتایا گیا۔ رطب علی صاحب نے ایک بڑے مجمع کے سامنے روایت کے صحیح ہونے کا اقرار کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے سورما کے ریمارک کو بڑے واضح الفاظ میں غلط بتایا، بالا پور میں اس واقعہ کے متعدد گواہ ہیں جس کا جی چاہے وہاں جاکر تحقیق کرلے۔ نیز مورخہ ۳ر مارچ ۱۹۹۴ء کو بعد نماز عصر رطب علی صاحب راقم الحروف کی ملاقات کے لیے جامع مسجد اکولہ تشریف لائے دورانِ گفتگو سات اشخاص کی موجودگی میں زیرِ بحث حدیث کے صحیح ہونے کا اقرار کیا اور یہ بھی کہا کہ تابش مہدی نے میری اجازت کے بغیر میرا نام درج کردیا ہے اور میں تابش مہدی کی کتاب تبلیغی نصاب ایک مطالعہ سے متفق نہیں ہوں۔ یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم رطب علی صاحب کے قول کو دلیل میں پیش کررہے ہیں ہم کو نظریاتی اختلاف جس طرح تابش مہدی صاحب سے ہے ویسے ہی رطب علی صاحب سے بھی ہے۔ یہاں یہ واقعہ صرف لطیفے کے طور پر لکھ دیا گیا ہے۔ روایت کے صحیح ہونے کے دلائل گذشتہ صفحات میں مفصل بیان کردیئے گئے ہیں تابش صاحب نے بھی ایک لطیفہ یہ لکھا ہے۔

> اس سے پہلے فضائلِ نماز کے صفحہ بارہ[۱۲] پر جلدی سے مرجانا باعث سعادت بات تھی اور یہاں دیر سے مرنا شہید پر فوقیت کا سبب بن رہا ہے۔" ایک مطالعہ ص۵۲

اس گتھی کو حل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ۔ غیر نبی چاہے کتنا ہی صالح ہو بہرحال گناہ کا صدور اس سے بشری تقاضے کی وجہ سے ضرور ہوتا ہے، جلدی سے موت آجانا گناہوں کی قلت کا سبب ہونے کی وجہ سے

باعث سعادت ہے، اور دیر سے مرنا نیکیوں کی زیادتی کے اعتبار سے شہید پر فوقیت کا سبب بن رہا ہے جیسا کہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت فرما دی ہے۔

سولھواں دھوکا بعنوان محوِ حیرت ہوں ... !

محوِ حیرت ہونے کی وجہ ملاحظہ فرمایئے حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے تحریر فرمایا ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حُقب جہنم میں جلے گا اور حُقب کی مقدار اسّی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس ۳۶۰ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حُقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوتی۔ (فضائل نماز ص۳۶)
حدیث صرف "قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔" تک ہی ہے آگے کا جملہ بطورِ وضاحت حضرت شیخ رحؒ نے لکھا ہے ناقدِ محترم نے عوام کو دھوکا دینے کے لئے اس جملے کو اس طرح حدیث سے ملا دیا ہے کہ وہ بھی حدیث ہی کا جزء معلوم ہو رہا ہے تابش مہدی صاحب کو حدیثِ بالا پر چند وجوہ سے حیرت ہو رہی ہے۔ (۱) حضرت شیخ رحؒ نے اس حدیث کی صحت سَنَد اور متن پر علمی گفتگو کی بجائے صرف "مجالس الابرار" کا حوالہ دے کر شیخ المشائخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی (اس کے معتبر ہونے کی تعریفی) رائے صرف عربی عبارت میں بلا اردو ترجمہ کے نقل کردی ہے۔ (۲) محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے) (۳) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں غزوۂ خندق میں قضا ہوئیں۔ غزوۂ خیبر سے واپسی کے وقت بھی آپکی اور صحابۂ کرامؓ کی نمازِ فجر قضا ہوئی تھی۔ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی ایک نماز بھی قضا نہ

ہوئی ہو۔ اس لئے اس قسم کی واہی باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ (۴) اس روایت کی زد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رض اور دیگر علماء و صلحاءِ امت بھی نہیں بچ سکتے اور روایت کی رو سے ان سب کو نعوذ باللہ جہنم میں جانا ہوگا (مفہوم ایک مطالعہ ۵۳-۵۴)

تبرکاً سب سے پہلے حضرت شیخ الحدیث رح ہی کے قلم سے ان اعتراضات کا جواب ملاحظہ فرما لیا جائے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔" فضائل نماز میں حقبہ والی حدیث کا بے اصل ہونا میری نظر سے باوجود تلاش کے اب تک نہیں گذرا۔ آپ نے اسے بے اصل تو تحریر فرما دیا مگر حوالہ تحریر نہیں فرمایا۔ یہ میں خود بھی حدیث کے ختم پر لکھ چکا ہوں کہ مجھے ابھی تک کتب حدیث میں نہیں ملی لیکن مجالس الابرار خود معتبر کتاب ہے شاہ عبدالعزیز رح نے اس کی تعریف فرمائی ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب رح فرنگی محلی نے اپنے فتاویٰ میں اس سے استدلال کیا ہے اس کے بعد اس کی روایت کو رد کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص ۱۳۴-۱۳۵) حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہٗ نے بھی ..... اپنے مکتوب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے (ایضاً) صفحہ ۸۴)

راقم سطور کہتا ہے کہ حضرت مولانا حافظ و قاری سید عبدالرحیم صاحب مفتی گجرات لاجپوری مدظلہم العالی نے بھی" فتاویٰ رحیمیہ" میں مجالس الابرار کی روایتوں سے استدلال کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح مجدد الف ثانی رح، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی اور مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری سب ہی اکابرِ محدثین ——— اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ خود حضرت شیخ الحدیث رح بھی اس دور کے سب سے بڑے محدث تھے اُن سب حضرات نے مجالس الابرار کی روایات کو قبول کیا ہے، اس کے مقابلے میں تابش صاحب کا محض یہ لکھ دینا کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کو موضوع احادیث کے زمرے میں جگہ دی گئی ہے۔ (ایک مطالعہ ص۵۳) کیسے

کافی ہو سکتا ہے۔ کیا حوالے پیش کرنے کی ضرورت صرف حضرت شیخ رح اور علمائے دیوبند ہی کے لئے ہے؟ تابش صاحب کو اتنا بڑا دعویٰ کرنیکے باوجود دلیل وحوالہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی آخر اس کی وجہ کیاہے؟ اس کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ وہ خود کو مقامِ نبوت سے کم درجے پر نہیں سمجھتے کیونکہ یہ مقامِ نبوت ہی کی شان ہے کہ بلا دلیل بات بھی قابلِ قبول ہو جائے۔

جہاں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رض وغیرہ کی نمازیں قضا ہو جانے کی بات ہے تو ہم بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ جناب تابش صاحب نے یہ غیر متعلق بحث چھیڑ کر فریب کاری کی انتہا ہی کردی۔ ہم نے اس بحث کو غیر متعلق اس لیے کہا کیونکہ حدیث پاک میں" مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ کے الفاظ آئے ہیں حضرت شیخ اسکا ترجمہ "جو شخص نماز کو قضا کردے۔" کر رہے ہیں۔ قضا کردے کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ اپنے قصد وارادہ سے قضا کرنا مراد ہے، اگر کسی شرعی مانع کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو اس کو قضا کر دینا نہیں بلکہ قضا ہو جانا کہتے ہیں۔ ایک شخص رات بھر بے ہوش رہا جس کی وجہ سے عشاء کی نماز نہ پڑھ سکا اب وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں نے عشاء کی نماز قضا کردی بلکہ یہ کہے گا کہ میری نماز قضا ہوگئی۔ بہرحال قضا کر دینے اور قضا ہو جانے میں بڑا واضح فرق ہے تعجب ہے کہ تابش صاحب اپنی مادری زبان کے اس واضح فرق کو بھی نہ سمجھ سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں نماز قضا نہیں فرمائی تھی بلکہ لشکرِ کفار نے آپ کو نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا اس لیے کچھ نمازیں قضا ہوگئی تھیں حضرت علی رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں فرمایا "کفار نے ہمیں عصر کی نماز وسطیٰ سے روک دیا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے۔

(مشکوٰۃ ص۶۲ بحوالہ بخاری ومسلم) بخاری جلد دوم ص۵۹۰ غزوۂ خیبر سے واپسی کے سفر میں

بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی نماز فجر قضا ہوگئی تھی ۔ نہ کہ قضا کردی گئی تھی جس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ کفار سے لڑنے اور پھر دن رات سفر کرنے کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ اور خود حضورؐ بھی انتہائی تھک چکے تھے رات کے آخری حصے میں حضورؐ نے کچھ دیر پڑاؤ ڈالنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی سونے سے منع بھی فرما دیا تاکہ فجر کی نماز قضا نہ ہوجائے لیکن حضرت بلالؓ نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لئے بیدار کرنے کی ذمہ داری لے لی تو آپؐ نے سونے کی اجازت دے دی ۔ حضرت بلالؓ بھی چونکہ کافی تھک چکے تھے اس لئے باوجود کوشش کے سوگئے جب یہ حضرات بیدار ہوئے تو وقتِ فجر نکل چکا تھا ۔ (مشکوۃ شریف ص ۶۶ ۔ ۶۷) بحوالہ مسلم شریف) ظاہر ہے کہ اس کو نماز قضا کر دینے سے تعبیر کرنا بڑی نادانی ہے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نماز قضا کرنا الگ چیز ہے اور تمام وعیدیں قضا کر دینے ہی کے بارے میں آئی ہیں ، اگر شرعی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جاسکی ہو تو وہ وعید میں داخل ہی نہیں ہے ۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور دیگر علماؤ صلحاء کو بھی حقب والی وعید کی زد میں لانے کا تاثر دینا ، تابش صاحب کی بڑے درجے کی فریب کاری ہے

سترھواں دھوکا بعنوان "حضرت امام ابو حنیفہؒ کا کشف"

فضائل نماز کے ص ۱۳ پر حضرت شیخؒ ارشاد فرماتے ہیں ۔

"حضرت امام اعظمؒ کا مشہور قصہ ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرمایا کرتے تھے کہ کونسا گناہ اسمیں دھل رہا ہے"

جنابِ تابش صاحب کو اس قصے کی صحت پر اس لیے انکار ہے کہ

(۱) اللہ تعالیٰ ستارالعیوب ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک شخص کو ایسی قوت عطا کردے کہ اس پر لوگوں کے گناہ عیاں ہوجائیں۔

(۲) احادیث میں وضو سے صرف صغائر کے دھلنے کا ذکر آیا ہے ــــ نہ کہ کبائر کے دھلنے کا۔ (ایک مطالعہ صـ۵۷)

بیشک اللہ تعالیٰ ستّارُالعیُوب (عیبوں کا چھپانے والا ہے) اس سے کسی مومن کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن اگر اسکا مطلب یہی ہے جو محترم ناقد صاحب نے سمجھ رکھا ہے تو پھر دنیا میں کسی کا بھی کوئی عیب دوسروں پر ظاہر نہ ہونا چاہیئے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے عیُوب دنیا والوں پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ زنا کرنا بہت بڑا عیب ہے اور لوگ اس عیب میں مبتلا ہیں کیا آج تک کسی کا زانی یا زانیہ ہونا عیاں نہیں ہوا؟ اسی طرح قتل شراب نوشی دھوکا دہی وغیرہ جتنے بھی گناہ ہیں وہ سب عیوب کی فہرست میں آتے ہیں۔ تابش صاحب کی منطق کی رو سے یہ سب عیوب دوسروں سے پوشیدہ رہنے چاہئیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ ستارالعُیوب ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی شخص کو ایسی قوت عطا کردے کہ اُسپر (حواسِ خمسہ کے ذریعے) لوگوں کے گناہ عیاں ہوجائیں۔ لیکن مشاہدات تابش صاحب کی اس منطق کو غلط قرار دیتے ہیں۔ جب حواسِ خمسہ کا یہ حال ہے کہ اُن کے ذریعے دوسروں کے عیُوب عیاں ہوجاتے ہیں تو باطنی حواس تو ظاہری حواس سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہیں ایک کافرو مشرک بھی عمل تنویم یا مسمیریزم کے ذریعے دوسروں کے رازوں پر مطلع ہوجاتا ہے اور یہ سب کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت ہی سے کرتا ہے، اگرچہ اس کا یہ فعل شریعت کے خلاف ہو لیکن قوت تو بہرحال اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔ غیر شرعی مجاہدے

سے جب ایسی قوت حاصل ہوجاتی ہے تو شرعی مجاہدات سے حاصل ہو جانا کچھ بھی بعید نہیں ہے اور جس طرح آنکھ کان وغیرہ ظاہری حواسِ خمسہ کے ذریعے کسی کے عیوب معلوم ہوجانا اللہ تعالیٰ کے ستار العیوب ہونیکے منافی نہیں اسی طرح کشف والہام وغیرہ کسی باطنی ذریعہ سے عیوب کا ظاہر ہوجانا صفتِ ستاریت کے منافی ہرگز نہ ہوگا۔ رہا تابش صاحب کا دوسرا اعتراض کہ

> احادیث میں وضو سے صرف صغائر کے دُھلنے کا ذکر آیا ہے نہ کہ کبائر کے دُھلنے کا۔ (ایک مطالعہ ص۵۴)

اسکا جواب یہ ہے کہ جناب تابش صاحب نے یہ جملہ لکھ کر عام مسلمانوں کو بڑا دھوکا دیا کہ "احادیث میں وضو سے صرف صغائر کے دُھلنے کا ذکر ہے۔" ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک ہی حدیث پیش کردیں جس میں وضاحت کردی گئی ہو۔ کہ وضو سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین، ہمارا بھی خیال یہی ہے کہ قرآن واحادیث میں جہاں بھی نیک اعمال سے گناہ معاف ہونیکا ذکر آیا ہے، وہاں گناہوں سے صغیرہ گناہ ہی مراد ہیں۔ کبیرہ گناہ کے لئے ہمارے نزدیک بھی توبہ ہی ضروری ہے لیکن ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احادیث میں مطلقاً گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ علماء نے قرآن وحدیث میں غور کرکے استنباط فرمایا ہے۔ ایک اجتہادی بات کو حدیث کہنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہے۔ جس پر احادیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ بہر حال نیکیوں سے صرف صغیرہ گناہ ہی معاف ہوتے ہیں۔ یہی عقیدہ ہمارا بھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم امام اعظم ابو حنیفہؒ کے کشفِ بالا کا انکار نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ یہ اتنی مشہور و معروف چیز ہے کہ حضرت شیخؒ کے علاوہ بھی بہت سے گذشتہ وموجودہ اکابر علماء نے اسکو نقل کیا ہے۔ سطور بالا میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس کشف کو قبول کرنے میں نہ تو عقلی مانع ہے اور نہ شرعی ہم نے یہ بھی لکھا

ہے کہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ ضروری ہے آخر توبہ کیا چیز ہے؟ اپنے کرتوتوں پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجانا ہی توبہ ہے تو کیا اس کا امکاں نہیں ہے کہ حضرت امامِ اعظمؒ کے کشف سے جہاں کبیرہ گناہوں کا دُھلنا معلوم ہورہا ہے وہاں یہ صورت پیش آتی ہو کہ وضو کرنیوالا وضو کے درمیان دل کی گہرائیوں سے استغفار و توبہ بھی کرتا رہا ہو یہ کوئی بعید اور دلوں کو سمجھانے والی تاویل نہیں ہے کیونکہ ہم اس بے دینی کے دَور میں بھی بکثرت دیکھتے ہیں کہ لوگ توبہ استغفار یا کلمۂ طیبہ وغیرہ کوئی چیز پڑھتے ہوئے وضو کرتے ہیں۔ پھر امامِ اعظمؒ ابو حنیفہؒ کا زمانہ تو خیر القرون کا زمانہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب تر تھا۔ دین اور علمِ دین کی طلب کا جذبہ عوام میں موجود تھا تو ایسے دینداری کے دور میں توبہ و استغفار کرتے ہوئے وضو کرنا کچھ بھی بعید نہیں ہے بہر حال امام اعظمؒ کا یہ کشف اتنا مشہور ہے اور اکابر علماء کی کُتب میں اتنی کثرت سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم یا کوئی بھی صاحبِ ہوش اسکا انکار کرہی نہیں سکتا جب کہ اس کے قبول کرنے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے یہ انکار تابش مہدی اور ان جیسوں ہی کو مبارک ہو۔ جنہوں نے دین کو پرکھنے کا معیار اپنی ناقِص عقلوں کو بنا رکھا ہے۔

اٹھارھواں ۱۸ دھوکا بعنوان

نوافل میں غلو اور دوسرے معاملات کی طرف سے روگردانی

ہم اپنے قارئین کو مخاطب کرکے پوچھتے ہیں کہ (۱) ایک طالب علم کے سرپرست ایسے وقت اسکول پہنچتے ہیں جب ٹیچر سائنس کی تعلیم بچوں کو دے رہا تھا کیونکہ وہ اسی مضمون کا گھنٹہ تھا، سرپرست صاحب پندرہ منٹ کے بعد اسکول سے نکل جاتے ہیں اور دوسرے روز اپنے بچے کا نام اسکول سے خارج کرا لیتے ہیں۔ پوچھنے پر وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ "اس اسکول میں

صرف سائنس پڑھائی جاتی ہے اور دوسرے مضامین سے روگردانی ہوتی ہے۔" تو آپ اُن سرپرست صاحب کو کیا کہیں گے؟ یا مثلاً ہڈیوں کے ماہر کسی ڈاکٹر نے ہڈیوں کو موضوع بنا کر ایک مفید کتاب لکھی۔ جب یہ کتاب چھپ کر منظرِ عام پر آئی تو ایک صاحب اسکو پڑھ کر یہ پُرد پیگنڈہ کرنے لگے کہ " اس ڈاکٹر کے یہاں ہڈیوں میں غلو اور دوسری چیزوں (مثلاً خون، معدہ، جگر وغیرہ) کیطرف سے روگردانی برتی جاتی ہے تو یہ ریمارک دینے والے صاحب کا مقام آپ کے نزدیک کیا ہوگا۔؟ اب ذرا حضرت شیخ رہ کی یہ عبارت پڑھیئے۔

حضرت سلمان رض ایک بڑے مشہور صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب عشاء کی نماز ہو لیتی ہے تو تمام آدمی تین جماعتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں ایک وہ جماعت ہے جس کے لئے یہ رات نعمت ہے اور کمائی ہے، بھلائی ہے یہ وہ حضرات ہیں جو رات کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جب لوگ اپنے راحت و آرام اور سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں انکی رات اُن کے لئے اجر و ثواب بن جاتی ہے دوسری وہ جماعت ہے جس کے لئے یہ رات وبال ہے، عذاب ہے یہ وہ جماعت ہے جو رات کی تنہائی اور فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتی ہے۔ تیسری وہ جماعت ہے جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہے اس کے لیے نہ وبال ہے نہ کمائی نہ کچھ آیا نہ گیا۔ (فضائل نماز ص۳۶)

اس عبارت کو پڑھ کر ایک صاحب (تابش مہدی) فرماتے ہیں۔

> کتاب و سنت سے جو ہدایتیں ہمیں ملتی ہیں وہ یہ کہ ہر شخص پر نمازوں میں صرف پنجگانہ کا اہتمام لازمی ہے۔ جو لوگ محض پنجگانہ کا اہتمام کرتے اپنے شب و روز خدا کے دین کی اقامت، خدمتِ خلق اور حقوقِ اہل و عیال کی ادائیگی میں صرف کرتے ہیں وہ اُن لوگوں سے بدرجہا بہتر اور عالی مرتبہ ہیں جن کی شبیں اوراد و وظائف اور "ھُو حق" میں بسر ہوتی ہیں اور وہ حقوقِ اہل و عیال و حقوقِ ہمسایہ سے غافل اور خدا کے دین کی اقامت کے احساس سے عاری ہیں، ان کی یہ

زندگی راہبوں، جوگیوں اور سنیاسیوں والی زندگی ہے، نہ کہ خدا پرستوں والی۔
ایک مطالعہ ص۵۵ - ص۵۶

یہ تبصرہ جس کتاب کے اقتباس پر کیا جا رہا ہے اس کا نام " فضائل نماز " ہے یہ نام ہی نشاندہی کر رہا ہے۔ کہ کتاب کا موضوع نماز ہے" اس لیے اسمیں نماز ہی کے تعلق سے بحث ہوگی اسپر وہ تبصرہ کرنا جو محترم تابش صاحب نے کیا ہے۔ اسمیں اور مذکورۂ بالا مثالوں کے سائنس کے گھنٹے میں اسکول میں حاضر ہونے والے سرپرست اور ہڈیوں کے ماہر ڈاکٹر کی کتاب پڑھ کر اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے قاری کے تبصروں میں کچھ بھی فرق نظر آتا ہے؟ معمولی عقل والا بھی یہی فیصلہ کریگا کہ ان تبصروں میں اصولی اعتبار سے ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے ہمارے ناظرین تابش مہدی صاحب کے تبصرہ میں پنہاں رموز کو شاید پوری طرح نہ سمجھ سکے ہوں دراصل سطور بالا میں فضائل نماز کے اقتباس کا نام لیکر اول براہ راست حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات کو اور پھر ضمنی طور پر پورے خانقاہی نظام کو نشانۂ تنقید بنا کر عام مسلمانوں کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ خانقاہی نظام میں اوراد و وظائف شب بیداریوں اور ھُو، حق کے نعروں کے سوا کچھ نہیں ہے ان لوگوں میں حقوق العباد سے غفلت ہوتی ہے۔ عملاً اقامتِ دین تو بہت بڑی بات ہے۔ بیچارے یہ خانقاہی لوگ تو اتنے ناکارہ ہوتے ہیں کہ ان میں دین کی اقامت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کی زندگی سنیاسی اور جوگیوں کی زندگی تو ہوسکتی ہے لیکن اسلامی زندگی کسی طرح نہیں ہوسکتی اسلامی زندگی تو صرف تابش صاحب اور جماعتِ اسلامی کی زندگی ہے جو شب و روز اللہ کا دین دوسروں پر قائم کرنے میں ایسے ہمہ تن مشغول ہیں کہ انہیں اپنی ذات پر اقامتِ دین کا کبھی ہوش نہیں رہتا۔ محترم تنقید نگار نے ایمانی اسلامی اور خدا پرستانہ زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے۔ نقشہ اور حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ تابعین و تبع تابعینؒ اور چودہ سو سالہ رہنمایانِ اُمت کی تاریخ سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے اسکا جائزہ لینا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں خدا پرستانہ زندگی کا یہ خاکہ ملتا ہے کہ (۱) خشوع کے ساتھ فرض و نوافل کی ادائیگی (۲) لغو باتوں سے پرہیز۔ (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی اور تزکیۂ نفس (۴) شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت (۵) حقِ امانت کی ادائیگی۔ (۶) ایفائے عہد (۷) نمازوں کی حفاظت، جس شخص میں بھی ایمان کے ساتھ یہ سات صفات پائی جائیں گی قرآن پاک اس کی زندگی کو خدا پرستوں والی زندگی قرار دے کر صرف جنت ہی کا نہیں بلکہ جنت کے بلند ترین مقام جنت الفردوس کا وارث قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ پارہ ۱۸ سورۂ مؤمنون آیت نمبر ایک تا گیارہ) اب قرآن پاک ہی کا پارہ ۱۹ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۶۳ تا آیت ۷۵ کا مطالعہ فرمایئے۔ اِن آیاتِ مبارکہ میں خدا پرستوں کی زندگی کی یہ خاکہ کشی کی گئی ہے۔ (۱) عبدیت کاملہ یعنی پوری طرح ہر معاملہ میں اظہارِ بندگی (۲) تواضع و انکساری (۳) اہلِ جہالت سے سلامتی کی باتیں کرنا۔ (۴) شب بیداری کرتے ہوئے اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا۔ (۵) عذابِ دوزخ سے پناہ طلب کرنا (۶) مال خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا۔ (۷) شرک سے کلی طور پر پرہیز کرنا (۸) ناحق قتل اور (۹) زنا سے اپنے آپکو بچانا۔ (۱۰) جھوٹ اور باطل مجلسوں میں حاضر ہونے یا جھوٹی گواہی دینے سے پرہیز کرنا۔ (۱۱) راہ گذر پر ہونے والی بے ہودہ مجالس سے نہایت شرافت کے ساتھ گذر جانا۔ (۱۲) احکام خداوندی کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو اندھے اور بہرے پن کا مظاہرہ نہ کرنا (۱۳) اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لئے دعائیں کرنا۔

قرآن پاک اِن صفات کے زندگیوں میں داخل کرنے والوں کی زندگیوں کو خدا پرستوں کی زندگی قرار دے کر اس کے صلہ میں بالا خانوں والی جنت ملنے کا مژدہ سُنا رہا ہے

واضح رہے صفاتِ مذکورہ میں ایک صفت "عبادت کے لئے شب بیداری کرنا" بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اور بڑے تعریفی انداز میں بیان فرمائی ہے اس کے مقابلہ میں ذرا تابش صاحب کا یہ جملہ دوبارہ پڑھ لیا جائے کہ " جن کی شبیں اوراد وظائف اور ہُو حق میں بسر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ جس صفت پر اپنے بندوں کی تعریف فرمارہا ہے اسی صفت کو تمسخرانہ انداز میں پیش کرکے اس کی مذمت کرنا خدا کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینا نہیں تو پھر کیا ہے؟ مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ نے وضاحت کے ساتھ یہ بات بتادی کہ خانقاہی زندگیاں ہی حقیقت میں خدا پرستوں والی زندگیاں ہیں۔ تابش صاحب کا پیش کردہ قرآنی خاکہ سے مطابقت نہیں رکھتا احادیثِ پاک کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شب بیداریاں، نوافل میں انتہائی مشقتوں کیساتھ مشغولیت نمازِ فجر کے بعد اشراق کا وقت ہونے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہنا۔ چاشت و اوابین کا اہتمام کثرت سے نفل روزے رکھنا، قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا، اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوکر رونا۔ گڑگڑانا، خوفِ خدا سے کانپنا اس کے عشق و محبت میں سرشار ہوکر والہانہ انداز میں اس سے فریادیں اور دعائیں کرنا۔ وغیرہ خانقاہی نظام والی عبادتیں اتنی کثرت سے ملتی ہیں کہ انکا احاطہ بھی مشکل ہے صحابۂ کرامؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ عظام اور گذشتہ چودہ صدیوں کے رہنمایانِ امت کی تاریخ کے مطالعہ سے اُن کی زندگیوں کا غالب رنگ وہی نظر آتا ہے جس کی خاکہ کشی سطور بالا میں کی گئی ہے۔ یہاں ہم نے حوالے پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس سے ہر پڑھا لکھا مسلمان واقفیت رکھتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی گوارہ نہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ بالکل ہی بے دلیل رہ جائے اس لیے اجمالی طور پر بتائے دیتے ہیں کہ قارئین اگر چاہیں تو کتبِ احادیث میں حضور اقدسﷺ

کی نمازوں کی کیفیات روزوں کے معمولات وغیرہ عبادات کے حالات کا مطالعہ کریں اسی طرح مناقب صحابہؓ کے باب کا بھی مطالعہ کریں۔ تابش مہدی صاحب نے خانقاہی نظام کی یہ تصویر کشی کر کے عام مسلمانوں کو بڑا دھوکا دیا ہے کہ اس نظام کے پیروکار حقوق العباد سے غافل اور اقامتِ دین کے احساس تک سے عاری ہوتے ہیں۔ اگر نوافل و اوراد و وظائف کے لئے شب بیداریاں حقوق العباد سے غفلت اور اور اقامتِ دین سے عاری ہوتے کے مترادف ہے جیسا کہ تابش صاحب کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے تو یہ کام تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ اور اولیاءِ اُمّت نے بھی کئے ہیں کیا ان سب پر بھی یہی الزامات عائد کئے جائیں گے؟ نعوذ باللہ من سوٓء الفہم حقوق اللہ کے ساتھ ہی حقوق العباد کی مکمل ادائیگی، اقامتِ دین کی جد وجہد، اور ضرورت پیش آنے پر مجاہدانہ سرفروشیاں، خانقاہی نظام والوں ہی کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔ اس تعلق سے مکمل واقفیت کے لئے ہم اپنے قارئین کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم العالی کی معروف تصنیف تاریخ "دعوت وعزیمت" کی پانچوں جلدوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن کسی وجہ سے اس کتاب کا مطالعہ ممکن نہ ہو تو ایک چھوٹی سی کتاب ہے "تصوف کیا ہے" یہ کتاب مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اویس ندوی اور مولانا علی میاں ندوی مدظلہم العالی کے مضامین کا مجموعہ ہے تیسرا مضمون علی میاں دامت برکاتہم کا لکھا ہوا ہے اسکا عنوان ہے "اہل تصوّف " اور دینی جدّو جہد" کم از کم اس مضمون کو تو ناظرین کرام ضرور پڑھ لیں اس سے واضح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ اقامتِ دین کا فریضہ بھی ہر دور میں یہی خانقاہی لوگ انجام دیتے آئے ہیں۔ ہوٹلوں، لائبریریوں اور بازاروں میں "الجہاد الجہاد " اور حکومتِ الٰہیہ کے صرف نعروں سے نہ پہلے کبھی اقامتِ دین کا کام ہوا نہ آج ہو رہا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو سکے گا۔ تابش صاحب نے اہلِ حق پر دوسرے

معاملات سے روگردانی کی بے بنیاد بات چھیڑ ہی دی تو ہم نہایت افسوس اور دکھ کے ساتھ یہ بتانے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہیں کہ جن لوگوں کے متعلق یہ لکھا جا رہا ہے کہ "محض تبلیغ کا اہتمام کر کے اپنے شب و روز خدا کے دین کی اقامت، خدمتِ خلق اور حقوقِ اہل و عیال کی ادائیگی میں صرف کرتے ہیں وہ خانقاہی نظام والوں سے بدرجہا بہتر اور عالی مرتبہ ہیں (ایک مطالعہ ص۵۵ مفہوم عبارت) یعنی ارکانِ جماعتِ اسلامی ان لوگوں کی عبادتیں بے کیف و بے روح تو تھیں ہی، لیکن معاملات کا بھی یہ حال ہوگیا ہے کہ خود ساختہ بیت المال میں خورد برد اور اسکی رقوم کو مالِ غنیمت سمجھ کر ذاتی کاموں میں صرف کرنے سے بھی نہیں چوکتے یہ کسی پر بیجا الزام تراشی نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا احساس خود بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب مرحوم کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہوگیا تھا۔ تفصیل معلوم کرنے کے لئے ۳۰ ر دسمبر ۱۹۸۳ء کا ہفت روزہ " الجمعیۃ " ملاحظہ فرمائیے۔ مسلمان اخبار پاکستان کے حوالے سے اس شمارہ میں مولانا مودودی مرحوم کے صاحبزادے حسین فاروق مودودی کے ایک خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی شائع کی گئی ہے جو فاروق مودودی صاحب نے رفقاء جماعتِ اسلامی کے نام لکھا ہے پورا خط قابلِ دید اور بڑا عبرت ناک ہے اس خط کے ساتھ ہی مولانا مودودی مرحوم کے دو خطوط کا عکس بھی شائع کیا گیا ہے۔ فاعتبروا یآولی الابصار محترم تابش صاحب نے فضائلِ نماز ص۱۶ کی جس حدیث کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنانا چاہا ہے اسمیں قابلِ گرفت شریعت و عقل کے خلاف ایک بات بھی نہیں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ رات کے وقت لوگ تین قسم کے ہی کام کرتے ہیں نیکوکاروں کی جماعت عبادت میں مشغول ہوجاتی ہے بدکار چوری زنا وغیرہ گناہوں میں لگ جاتے ہیں عام لوگ سوجاتے ہیں۔ یہ اتنی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر شخص اس سے واقف ہے اور اس کا مشاہدہ بھی بہت سے حضرات کو ہوجاتا ہے پھر حدیث پاک بھی درّ منثور کے

حوالے سے لکھی گئی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ "درّ منثور" معتبر کتاب ہے۔ حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اکثر روایتیں اسی کتاب سے لی ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کی روایت کو بلا وجہ رد کر دینا معقولیت سے بعید اور اونچے درجہ کی فریب کاری میں شمار ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ آج کل کے مجاہدین، صرف قلم، زبان و الیکشن کے مجاہد ہو کر رہ گئے ہیں انھیں دن کے وقت بھی نماز اور دیگر عبادات میں مشغول ہونا نہایت بھاری معلوم ہوتا ہے راتوں کو جاگنا اور اپنے آرام کو خوشنودیٔ مولیٰ کے لئے قربان کر دینا تو بہت اونچی بات ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور قریبی زمانہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا شیخ الہند محمود الحسنؒ جیسے عملی مجاہدین ہی کا حصہ تھا کہ دن کے اُجالوں میں کفار سے جہاد کرتے تھے تو رات کے اندھیریوں میں مصلّے پر سوار ہو کر اپنے نفس سے جہاد کیا جاتا تھا۔ جس کو حدیث صحیح میں جہاد اکبر فرمایا گیا ہے۔ بہرحال ہمارے زمانے کے مجاہدین چونکہ صرف الیکشنی مجاہدین ہیں۔ اتنی مشقتیں برداشت کرکے نفس سے جہاد کرنا اُن کے بس میں نہیں اس قسم کی احادیث ہی کا انکار کرکے راہِ فرار اختیار کرنے لگے ہیں۔

اُنیسواں دھوکا بعنوان "اَوراد وَ نوافل کو جہاد پر فوقیت"

فضائل نماز ص۸۱ کی ایک روایت پر ہمارے قلمی مجاہد کو جو اعتراضات ہیں، طوالت کے خوف سے ہم صرف اُن کا خلاصہ لکھتے ہیں (۱) اُوپر کی روایت میں تو محترم مؤلفؒ نے محض حقوق و معاملات کی طرف سے روگردانی فرمائی ہے مگر اگلے ہی صفحے پر آں محترم نے کھلم کھلا جہاد کی اہمیت گھٹا دی۔

(۲) جس طرح یہودیوں نے مسلمانوں کے اندر سے ہندوستان میں روحِ جہاد ختم کرنے کی سازش کی اور علماء، اور دینی جماعتوں کو آلۂ کار بنایا حضرت شیخ رح بھی اسی سازش کے شکار رہیں۔ (۳) مرزا غلام احمد قادیانی یہودیوں کے آلۂ کار تھے، حضرت شیخ رح اور ان کی تبلیغی نصاب بھی اُن ہی کے آلۂ کار ہیں۔ (۴) حضرت شیخ رح کی کتب فضائل اور انگریز مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب " پریچنگ آف اسلام " Preaching of Islam " میں موضوع کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں (۵) روحِ جہاد کو ختم کرنے کے لئے چودہ سو سال میں جو لٹریچر تیار کیا گیا اسمیں تبلیغی نصاب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ یعنی یہ سب کتابوں سے زیادہ گندی کتاب ہے (۶) مشہور تو یہی ہے کہ تبلیغی نصاب حدیث کی کتاب ہے لیکن اسمیں حدیث نام کی کوئی چیز مشکل سے ملتی ہے (۷) اس کتاب میں حدیث کے نام پر مسلمانوں کو دھوکا دیا گیا ہے اور بجائے حدیث کے بزرگوں اور صوفیوں کے واقعات لکھ دیئے ہیں۔ اس تاثر کے ساتھ کہ یہ حدیث ہی ہے (ایک مطالعہ ص ۵۶ ملخصًا) اب وہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائی جائے جس پر اتنے عتابات اور سنگین الزامات عائد کئے گئے ہیں حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

> حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کے لئے ایک لشکر بھیجا جو بہت جلد واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی بہت سارا مالِ غنیمت لیکر آیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی کامیابی اور مال کے ساتھ واپس آگیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں شریک ہوں اور آفتاب نکلنے تک اسی جگہ بیٹھے رہیں۔ آفتاب نکلنے کے بعد

جب مکروہ وقت جو تقریبًا ۲۰ منٹ رہتا ہے نکل جائے) تو دو رکعت اشراق کی نماز پڑھیں ۔ (فضائل نماز) ص ۱۸

تبلیغی نصاب عوام کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے حضرت شیخ رح نے بعض جگہ حوالوں کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی یہ حدیث بھی بلا حوالہ لکھی ہے حوالہ نہ ہونے سے روایت کا بے سند ہونا لازم نہیں آتا ۔ ہم تابش مہدی صاحب کی فریب کاری سے پردہ اٹھانے کے لیے اور اُن کی فنِ حدیث سے لاعلمی کی انتہا ظاہر کرنے کے لئے قارئین سے کہتے ہیں کہ حضرت شیخ رح کی نقل کردہ حدیث نہ بے سند ہے نہ موضوع بلکہ یہ واقعہ ترمذی شریف اور جمع الفوائد ص ۴۷۸ - ۷۹ میں بھی حضرت عمر بن خطاب رض سے روایت کیا گیا ہے جس کا جی چاہے وہ ترمذی شریف اور جمع الفوائد دیکھ لے ۔ واضح رہے کہ صرف اس حدیث میں ہی نہیں بلکہ بہت سی حدیثوں میں جہاد پر بعض اعمال کو خود حضور پاک ؐ نے فضیلت دی ہے ۔ اس قسم کی حدیثوں کی شرح میں حضرت شیخ رح نے جو کچھ لکھا اور مطابقت پیدا کی وہ ہم آئندہ مناسب موقع پر لکھیں گے ۔ تابش صاحب کے اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی تین بنیادی وجوہات قرآن نے بتائی ہیں ۔ هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ (الآیۃ) (سورۂ جمعہ) وہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسول خود اُن ہی میں سے اُٹھایا جو انھیں اس کی آیات سُناتا ہے اُن کی زندگی سنوارتا ہے اور انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

(ترجمہ مولانا مودودی مرحوم تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۴۸۵ - ۴۸۶) (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیۂ نفوس (۳) تعلیم کتاب و حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تین کام سپرد کئے گئے تھے ۔

آپ نے تینوں ہی کام کیے ہیں آپ اپنی اُمّت کو دنیا اور مال کی محبت سے محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے چنانچہ متعدد احادیث ان کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے لیے مشکوٰۃ شریف دیکھ لی جائے زیرِ بحث واقعہ میں بھی جب آپ نے دیکھا کہ لوگ نجد سے آنے والے لشکر کے مالِ غنیمت کو بڑی چیز سمجھ رہے ہیں اور اس کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے جو مال کی محبت دلوں میں پیدا کرسکتی ہے تو آپ نے جہاد و غنیمت سے بھی عظیم چیز کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول فرمادی۔

تابش صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے بغیر دلیل کے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ ہر حال میں ہر اعتبار سے جہاد افضل و اعلیٰ ترین نیکی ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے اعمالِ صالحہ کا درجہ کم ہے حتیٰ کہ اسلام کے پانچوں ارکان جن کو حدیث میں اسلام کی بنیاد فرمایا گیا ہے اِن لوگوں کے نزدیک بذاتِ خود عبادت نہیں ہیں بلکہ جہاد کے لیے ٹریننگ کورس کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس حلقے کے بانی مولانا مودودی مرحوم تفہیمات جلد اول ایڈیشن چہارم کے صفحہ ۵۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "دراصل صوم وصلوٰۃ اور حج زکوٰۃ اور ذکر و تسبیح انسان کو اس بڑی عبادت کے لیے مستعد کرنے والی تمرینات (Training Courses) ہیں یہ غیر اسلامی ذہن، جناب مودودی مرحوم ہی کا بنایا ہوا ہے صرف اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر اور خطبات کا مطالعہ ثبوت کے لیے' کافی ہے ورنہ قرآن وحدیث تو ارکانِ خمسہ کو عباداتِ مقصودہ قرار دے کر جنّت کی بشارت دیتے ہیں حضرت شیخ ؒ پر روحِ جہاد ختم کرنے کا الزام بھی بے بنیاد ہے۔ حکایاتِ صحابہ میں جہاد پر ابھارنے والے متعدد واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ فضائل ذکر کی حدیث نمبر ۳ کی شرح کرتے

ہوئے خود شیخ رح فرماتے ہیں۔ (حدیث میں ذکر کو تمام اعمال پر فوقیت دینا)

یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ، جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہوجاتے ہیں۔" (فضائل ذکر) صہ ۱۹

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں " اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں۔ وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہوجاتی ہے لہٰذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستے (جہاد) میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستّر سال کی نماز سے افضل ہے۔ حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے لیکن کفّار کے ہجوم (حملے) کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہوجاتا ہے۔ (فضائل ذکر صہ ۲) حیرت ہوتی ہے کہ محترم تنقید نگار نے اتنی واضح عبارت کے ہوتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ پر روحِ جہاد ختم کرنے اور یہودیوں کے آلۂ کار ہونے کا الزام لگانے کی جرأت کیسے کرلی؟ خود قرآن کا اعلان ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ " یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے تو کیا قرآن پاک پر بھی روحِ جہاد ختم کرنے کا الزام عائد کیا جائیگا؟

اب لگے ہاتھوں تابش مہدی صاحب کی تاریخ دانی بھی دیکھ لی جائے یہ تو تقریباً سب ہی جانتے ہوں گے کہ ہندوستان پر انگریزوں کو طویل عرصے تک اقتدار حاصل رہا ہے، لیکن یہودی کبھی غالب نہ آسکے۔ مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ انگریزوں کے آلۂ کار تو ہوسکتے ہیں۔ لیکن یہودیوں کا آلۂ کار بتانا کسی طرح درست نہیں۔

تبلیغی نصاب کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا کہ " اسمیں حدیث نام کی کوئی چیز

مشکل ہی سے ملتی ہے۔"
فریب کاری اور دھوکے بازی کا بدترین نمونہ ہی نہیں بلکہ انکار حدیث میں بھی شمار ہوگا کسی حدیث کے بعد بزرگوں یا صوفیوں کے واقعات لکھ دینے سے وہ واقعات حدیث کا جزو کیسے بن گئے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی جبکہ حدیث کی ابتدار "ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے" اور واقعہ کی ابتدار" فلاں بزرگ فرماتے ہیں۔" سے ہو رہی ہے۔ تو شاید ہی کوئی اتنا نادان ہوگا جو بزرگوں کے واقعات کو بھی حدیث سمجھ بیٹھے، مثلاً مذکورہ بالا فضائل نماز صـ۱۸ والی حدیث کے بعد لکھا گیا ہے۔ (حضرت شقیق بلخیؒ مشہور صوفی فرماتے ہیں کہ) جہاں بھی حدیث کے بعد واقعات لکھے گئے ہیں وہاں اس قسم کے وضاحتی جملے بھی لکھ دیئے گئے۔ اس کے باوجود کوئی شخص اپنی کج فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے واقعات کو بھی حدیث سمجھ لے تو اسمیں لکھنے والے کا نہیں بلکہ سمجھنے والے کا قصور ہوگا۔

> آگے چل کر "فاضل نقاد نے ابودرداءؓ کے ایک خط پر تنقید کی ہے یہ خط حضرت سلمانؓ کو لکھا گیا تھا اس میں اکثر اوقات مسجد میں گذارنے کی نصیحت کی گئی ہے اور دلیل میں مکتوب نگار نے ایک حدیث پیش فرمائی ہے۔ جس میں مسجد کو متقی کا گھر بتا کر اکثر اوقات مساجد میں' رہنے والوں کے لئے رحمت و راحت دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر ہے اصل خط کا ترجمہ فضائل نماز صـ۳۲ پر دیکھ لیا جائے"

یہ حدیث تابش صاحب اور اُن کے ہم مشربوں کی عقل و فہم اور مزاج سے بالاتر ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں۔

> (مذکورۂ بالا) خط کا اصل متن نہیں نقل کیا گیا۔ بصورتِ موجودہ ایسے ابودرداءؓ جیسے عالی مرتبہ صحابی پر ایک بہتان ہی کہا جائیگا اس لیے کہ مسجدیں صرف فرض

نمازوں۔ وہ بھی جماعت کے لئے ہیں نہ کہ شب گذاری کے لئے

ایک مطالعہ صہ ۵۸

ہم بتا چکے ہیں اور ہر شخص بھی خوب جانتا ہے کہ تبلیغی نصاب عام مسلمانوں کے اندر ایمانی وعملی بیداری پیدا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ عوام کی اکثریت عربی داں نہیں لہٰذا عربی متن پیش کرنا کوئی مقصد نہیں رکھتا، اہلِ علم کے لیے لکھی جانے والی کتابوں میں متن و حوالہ جات دیئے جاتے ہیں۔ ابو درداؓ کی مذکورۂ بالا روایت طبرانی اور بزار میں موجود ہے۔

مساجد کس کام کے لیئے ہوتی ہیں؟ کیا صرف فرض نماز باجماعت پڑھنے کے لئے؟ جیسا کہ تابش صاحب کا خیال ہے۔ یا اس کے علاوہ بھی دوسرے دوسرے کاموں کے لئے؟ اگر تابش صاحب کی بات مان کر مساجد کو نماز باجماعت کے لیے مخصوص تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ اشکال پیدا ہوگا کہ مسجدوں میں سنّت و نفل نمازیں، تلاوتِ قرآن، ذکر اللہ، تعلیم وتعلم وعظ ونصیحت، حتّٰی کہ فرض کی جماعت ہو جانے کے بعد آنے والے کے لیئے اپنی فرض نماز بھی پڑھنا جائز نہ ہو۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

اس لئے کہ مسجدیں صرف فرض نمازوں۔ وہ بھی جماعت کے لیئے ہیں نہ کہ شب گذاری کے لیئے۔ "ایک مطالعہ صہ ۵۸"

لیکن مذکورۂ بالا تمام کام مسجدوں میں بالاتفاق جائز ہیں اس لیئے تابش صاحب کا خیال باطل ہے۔ ہم تابش صاحب کو انھی کی جماعتِ اسلامی کا ایک ماہنامہ زندگی کا پیام مساجد نمبر پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مضمون نگار لکھتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیت فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ (الآیۃ)

تفسیر مظہری میں ہے۔ عَنْ سعید بن جبیر عَنْ ابن عباس المساجد بیوت اللہ فی الارض وھی تضئی لاھل السماء کما تضئی لاھل الارض النجوم (جلد ۶ صـ ۵۲۴)

سعید بن جُبَیر ابن عباسؓ کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں وہ آسمان والوں کے لیے ایسی چمکتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے ستارے چمکتے ہیں۔ سُورہ نور کی اِن تین آیتوں میں مساجد کو بلند کرنے کا ذکر ہے! اس سے مراد مساجد کی تعمیر بھی ہے اور ان کی تعظیم بھی' ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی تعمیر کا سب سے بڑا مقصد اللہ کے نام کی یاد ہے یہ ایک جامع بات کہی گئی ہے۔ جس میں نماز تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل بھی داخل ہے اللہ کو یاد کرنے کی دوسری تمام مشروع سورتیں بھی داخل ہیں۔ (ماہنامہ "زندگی" پیام مساجد نمبر شمارہ ستمبر واکتوبر ۱۹۷۶ء صـ ۱۱) جب قرآنی حکم کے مُطابق مسجدوں میں اللہ کا ذکر کا جواز ثابت ہوگیا۔ تو اللہ کا ذکر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے' اسمیں تمام فرض ونفل عبادتیں آجاتی ہیں۔ اور ان سب کا جواز اس آیت سے ثابت ہے یہ الگ بحث ہے کہ احادیث میں نوافل وغیرہ کو گھروں میں پڑھنے کی ترغیب آئی ہے جن سے فقہا، نے نفلیں گھروں میں پڑھنے کو مستحب لکھا ہے لیکن اُن کا مسجد میں جائز نہ ہونا نہ تو حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور نہ فقہاء کے اقوال سے لیکن اگر تنزّل کر کے بقول تابش صاحب مان بھی لیں کہ مساجد صرف فرض نماز یں باجماعت پڑھنے ہی کے لیے ہیں۔ دوسری کوئی عبادت وہاں نہ ہونی چاہیے۔ لیکن اگر مسجد میں اعتکاف کیا جائے تو یہ قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔ وَلَاتُبَا

تُبَاشِرُوهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (پارہ ۲ سورہ بقرہ)
اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔"

کثرت سے مساجد میں وقت گذارنا صرف فضائل نماز کی ابودردا رضی اللہ عنہ والی روایت ہی سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ متعدد احادیث اس کے بارے میں آئی ہیں۔ نیز یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ صحابہ کرام میں اصحاب صُفّہ کی جماعت مستقل طور پر مسجد نبوی میں رہتی تھی۔ اور شب گذاری کرتی تھی۔ ترمذی شریف جلد اول صـ۴۳ پر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ كُنَّا نَنَامُ عَلٰى عهد رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فى المسجد ونحن شَبَابٌ۔ کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں سوتے تھے حالانکہ ہم جوان تھے یہی روایت بخاری شریف جلد اول صـ۶۳ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں اس روایت سے مسجد میں سونے کا جواز ثابت ہو رہا ہے ان تمام حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے تبلیغی جماعت پر پھبتی کسنا کہ مسجدیں شب گذاری کے لئے نہیں ہیں، دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے فقہائے کرام نے تین قسم کے لوگوں کو مسجد میں رات گذارنے کی اجازت دی ہے معتکفین، مسافرین اور طلباء، تبلیغی جماعت ان تینوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یعنی اُن کی حیثیت طلباء کی بھی ہوتی ہے۔ مسافرین کی بھی اور معتکفین کی بھی، بلکہ یہ بات ان کے اصول میں داخل ہے کہ جب مساجد میں داخل ہوں تو فوراً اعتکاف کی نیت کرلیں۔ مذکورہ بالا ابو درداء رضی اللہ عنہ والی روایت پر اعتراض کے بعد اچانک تابش صاحب کے قلم نے رمضان شریف کے اجتماعی اعتکاف کی طرف چھلانگ لگادی اور ساتھ ہی اس پر شدید قسم کی بدعت و گمراہی کا فتویٰ بھی صادر فرمایا اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی دلیل کے کہا جا رہا ہے کتاب و سنّت سے سند نہ ملنا تو کسی فعل کے عدم جواز کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ اجماع اور قیاس بھی

شرعی دلیل ہیں۔ احادیث پاک میں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اب اُن فضائل سے متاثر ہو کر کچھ لوگ اعتکاف کرتے ہیں تو یہ فعل بھی اجتماعی ہوگا۔ اور تابش صاحب کے فتویٰ کی رو سے شدید قسم کی بدعت و گمراہی کہلائیگا کیا محترم ناقد اس کی جرأت فرمائیں گے؟ اگر بدعت و گمراہی کا حکم کسی بزرگ ہستی سے اکتساب فیض کی نیت سے اجتماعی اعتکاف کرنے پر لگایا جارہا ہے تو یہ بات اسلامی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ قرآن نے بزرگ ہستی کی اقتدار میں پورے لشکر اسلام کو عین جہاد کے موقع پر نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اسکو "نمازِ خوف" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیا ضرورت تھی اس کی یہ حکم کیوں نہیں دیا گیا کہ دو جماعتیں کر کے دو الگ الگ اماموں کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی بزرگ ہستی سے اکتساب فیض کی اجازت دی ہے اگر تابش صاحب اجتماعی اعتکاف کے بدعت ہونے پر کوئی دلیل پیش کرتے تو ہمیں اُس پر غور کرنے کا موقع ملتا بصورت موجودہ جتنا سطورِ بالا میں لکھا گیا۔ اہلِ فہم کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔

تابِش صاحبؔ کی حدیث دانی

اجتماعی اعتکاف پر سنگ باری کے بعد فضائل نماز ص۱۲ کی ایک حدیث کو "بے دلیل روایت" فرمایا گیا ہم نے ص۱۲ نکالا تو اُسپر حضرت ابوہُریرہ رض کی روایت نظر آئی جس کو حضرت شیخ نے بلا دلیل نقل نہیں کیا بلکہ "حاکم" کا حوالہ حاشیہ میں مذکور ہے (فضائل نماز ص۱۲) نکال کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس کے علاوہ یہ روایت مسندِ احمد میں بھی ہے اس کے باوجود تابش صاحب کا اس کو بے دلیل روایت لکھنا کتنی بڑی جرأتِ بے جا اور کیسا عظیم الشان

دھوکا ہے۔ فضائل نماز ص۴۲ پر شیخ رح نے تحریر فرمایا ہے۔

> ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی بہترین صورت میں زیارت کی مجھ سے ارشاد ہوا کہ محمدؐ ملاءِ اعلیٰ والے یعنی فرشتے کس کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا مجھے تو اسکا علم نہیں، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک سینے کے اندر تک محسوس ہوئی۔ "الحدیث"

تنقید نگار کو اس روایت کے حدیث نہ ہونے کا اتنا یقین ہے کہ بڑے زعم کے ساتھ فرماتے ہیں۔

> "یہ کونسی حدیث ہے؟ اس کی سند کیا ہے؟ یا شیخ رح نے اسے کہاں سے نقل کیا ہے؟ ان سب کا کچھ پتہ نہیں (ایک مطالعہ ص۵۹)

بغیر علم کے محض عقل کو کسوٹی بنانے کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ اور اس سے دین کی صورت ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ حضرت شیخ رح کی نقل کردہ روایت اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں باب المساجد و مواضع الصلٰوۃ کے تحت دو جگہ الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہے ص۶۹-۷۰ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رض اس کے راوی ہیں صاحب مشکوٰۃ نے آخر میں حدیث کا ماخذ دارمی اور ترمذی کو بتایا ہے اور اپنی تحقیق یہ لکھی کہ مصابیح میں حدیث کے جو الفاظ آئے ہیں وہ مجھے شرح السنۃ کے سوا کہیں نہیں ملے۔ عبدالرحمٰن بن عائش رض کے علاوہ کچھ الفاظ کے اضافے سے حضرت ابن عباس اور معاذ بن جبل رض سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ معاذ بن جبل والی روایت

مشکوۃ شریف ملک ۲/۷۲ پر مسند احمد اور ترمذی کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی۔

امام ترمذیؒ نے اسکو حسن صحیح قرار دے کر لکھا کہ میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری تفصیل مشکوٰۃ ص۷۲ پر دیکھ لی جائے۔ ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام ترمذی جیسے محدثین صحیح قرار دے رہے ہیں۔ مسند احمد، دارمی اور شرح السنۃ جیسی کتب حدیث نے اسے قبول کر کے نقل کیا۔ عبدالرحمٰن بن عائشؓ، عبداللہ بن عباس اور معاذ بن جبلؓ تین صحابہ نے اس کو روایت کیا۔ اسی حدیث کو تابش صاحب کا علم بے سند و گمراہ کن روایت قرار دے رہا ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے محض اپنی عقل کو معیار بنا کر بغیر سوچے سمجھے تنقیدیں کرنا شروع کر دیں اور کتب احادیث کی طرف مراجعت کرنا بھی گوارہ نہ کیا۔ ان کے اس غیر علمی فعل کو ان ہی کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "کیا محترم مؤلف نے بلا تحقیق جب ثابت شدہ قول رسول کی تکذیب کی تو ان کا دل نہیں لرز گیا۔ ؟

دیدارِ الٰہی اس حدیث کو رد کرتے ہوئے ناقد محترم نے دیدارِ خداوندی کا مسئلہ چھیڑ دیا اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی تنقیح کرتے چلیں۔ اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں تمام مؤمنین دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے لیکن دنیا میں ظاہری آنکھوں سے خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں خواب یا کشف کے طور پر دل کی آنکھ سے دنیا میں بھی دیدار ممکن ہے۔ فرقہ معتزلہ آخرت میں بھی دیدار کا منکر ہے قرآن مجید کی سورۂ انعام آیت ۱۰۳ اور سورہ اعراف کی آیت ۱۴۳ سے بظاہر دیدار کی نفی ہوتی ہے اسی طرح

حضرت عائشہ رض کی روایت بھی دیدار کی نفی کرتی ہے ۔ صحیح مسلم کی حدیث کا بھی یہی حال ہے ہم اول دونوں آیتوں کا صرف ترجمہ لکھتے ہیں ۔ " نہیں پا سکتیں اسکو آنکھیں اور وہ پاسکتا ہے آنکھوں کو (انعام ۱۰۳ ترجمہ شیخ الہند") سورۂ اعراف آیت ۱۴۳ کا ترجمہ حضرت تھانوی نے فرمایا" اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے تو عرض کیا اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے ،، مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں " لن یریٰ احد منکم ربّہ حتیٰ یموت ۔" تم میں سے کوئی مرنے سے پہلے اپنے ربّ کو نہیں دیکھ سکتا ۔ مصنّف ایک مطالعہ نے یہی چار دلیلیں زیر بحث عبدالرحمٰن بن عائش رض عبداللہ بن عبّاس رض اور معاذ بن جبل رض سے مروی حدیث کو رد کرتے ہوئے پیش کی ہے ۔ آیاتِ قرآنیہ سے مطلقاً دنیا و آخرت ہر جگہ دیدار کی نفی ہو رہی ہے ۔ لیکن مسلم شریف کی حدیث نے متعین طور پر بتا دیا کہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے ۔ دوسری طرف مسلم شریف کی ابن عبّاس رض سے مروی روایت اور ترمذی شریف کی روایت حضور ص کا دو مرتبہ دل کی آنکھ سے خدا کو دیکھنے کا ذکر بھی ہے ۔ اسی طرح جمہور علماء معراج کے موقع پر بھی دیدار کے قائل ہیں اس پوری تحقیق سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ دنیا میں ظاہری آنکھوں سے دیدار الٰہی محال ہے ، دل کی آنکھ سے یا خواب میں خدا کا دیدار دنیا میں بھی ممکن ہے لہٰذا مشکوٰۃ شریف کی زیر بحث حدیث کو خواب یا کشف پر محمول کیا جائیگا نہ کہ سرے سے اسکا انکار ہی کر دیا جائے جیساکہ روایت کے الفاظ سے بھی پتہ چل رہا ہے ۔ اس تعلق سے مزید تحقیق درکار ہو تو شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تکمیل الایمان یا اسکا ترجمہ اسلامی عقیدے میں یہ بحث دیکھ لی جائے ۔ حدیثِ پاک میں جو خدا کو بہترین صورت میں دیکھنے اور ہاتھ سینے پر رکھنے کا ذکر ہے ، اس کے متعلق صرف یہی کہا جائیگا کہ اُس پاک ذات کے شایانِ شان جیسی صورت و ہاتھ ہیں وہی مراد ہیں کیفیات

کا علم اسی کو ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہاتھ کا ذکر ہے اور اس کی وجہ سے آیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حدیث کو مان کر کیفیات خدا کے سپرد کر دی جائیں گی۔

غلبۂ حال

فضائلِ نماز ص۳۹ پر شیخ نے حضرت سفیان ثوریؒ کے متعلق "غلبۂ حال" کا لفظ استعمال کیا ہے بس اسی پر ہمارے فاضل تنقید نگار کو غصہ آ گیا۔ کہ حضرت شیخ نے ایک صوفیانہ اصطلاح کیوں استعمال فرمائی جبکہ امت کی چودہ سو سالہ تاریخ کی پہلی اور آخری واحد علمی شخصیت فرما گئی ہے کہ تجدیدی کام کرنے والوں کے لئے متصوفوں کی زبان و اصطلاحات، رموز و اشارات لباس، اطوارِ پیری مریدی، اور ہر اس چیز سے جو اس (چودہ سو سالہ صوفیانہ) طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو۔ مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابطیس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔ (تجدید و احیاءِ دین ص۷۲) مصنف مولانا مودودی مرحوم) چونکہ یہی واحد شخصیت اصل دین اور اس کی حقیقی روح کا سراغ لگا سکی ہے ورنہ ابتدائی صدی کے بعد ہی اسلام کا یہ حال ہو گیا تھا کہ قرآن کی تین چوتھائی تعلیم تک غائب ہو گئی تھی اور چودھویں صدی ہجری تک تسلسل کے ساتھ غائب رہی۔ پھر چودھویں صدی کی اسی واحد بزرگ ہستی نے اس کا سراغ لگایا تو ایسی عظیم شخصیت کی تو ہر بات "اٰمنّا و صدّقنا" کہنے کے قابل ہے پھر تابش صاحب کیوں کر چوک سکتے تھے لہٰذا وہ بھی صوفیانہ اصطلاحات سے کلی پرہیز پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

> یہ غلبۂ حال" شریعت کی کونسی اصطلاح ہے؟ کیا کسی صحابی پر بھی کبھی "حال کا غلبہ" ہوا؟ یہ محترم مؤلف یا اُن کے ہمنوا ہی بتا سکیں گے۔" ہم جیسوں کی عقلیں تو اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔" (ایک مطالعہ ص۶۰)

مؤلفِ فضائل نماز کا انتقال مئی ۱۹۸۲ء میں ہوا اور محترم تابش مہدی کی کتاب ایک مطالعہ کا پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۸۳ء کے اواخر میں شائع ہوا، یعنی شیخ رح کے انتقال کے تقریباً نو ۹ مہینے کے بعد یہ بات مؤلف ایک مطالعہ کو بھی معلوم تھی کہ شیخ رح اب اس دنیا میں نہیں رہے اس کے باوجود ان سے جواب کا مطالبہ کرنا ایک فعلِ عبث کے سوا کچھ نہیں۔ مطلوبہ باتوں کے جواب سے پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ "حکومتِ الٰہیہ" شریعت کی کونسی اصطلاح ہے نہ قرآن میں اس لفظ کا ذکر ہے نہ احادیث میں شرعی اصطلاح میں حکومتِ الٰہیہ کہیں نہیں ملتا تو کیا اس کی وجہ سے یہ الفاظ موردِ الزام ہونگے؟ کیا جماعت اسلامی میں رائج تمام اصطلاحات کا ثبوت شریعت میں پایا جاتا ہے؟ اگر محترم ناقد کو مطالعہ کی فرصت ہوتی تو وہ اپنے ہی حلقہ کی کتاب "کشف المحجوب" کا مطالعہ فرما لیتے، میاں محمد طفیل صاحب امیر اعلیٰ جماعتِ اسلامی پاکستان نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرکے اس پر حواشی لکھے ہیں۔ لیکن "حال" اور غلبۂ حال" کی اصطلاح پر کوئی تنقید نہیں کی اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ اصطلاح قابلِ اعتراض نہیں تھی۔ تابش صاحب نے تو صرف صحابہ کے بارے میں سوال کیا ہے لیکن ہم ترقی کرکے کہتے ہیں کہ جبرئیل ع جیسے مقرب فرشتے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء پر بھی بعض اوقات حال کا غلبہ ہوا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ عن ابن عباس رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما اغرق اللہ فرعون قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل قال جبرئیل یا محمد لو رایتنی وانا اخذ من وحال البحر وادسہ فی فیہ مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ۔ اخرجہ الترمذی۔ حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود برحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے

ہیں حضرت جبرئیلؑ فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھ کو (اسوقت) دیکھتے (تو تعجب فرماتے) کہ میں کیچڑ لیکر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا۔ اس اندیشہ سے کہ اسکو رحمت الٰہیہ نہ پالے وے۔ (التکشف ص ۵۲۲ بحوالہ ترمذی)

حضرت جبرئیلؑ یقینی طور پر جانتے تھے کہ موت کے وقت ایمان لانا مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود ان پر اس وقت بغض فی اللہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس بات کو بھول گئے یہی غلبۂ حال ہے۔ اسی طرح غزوۂ بدر میں فتح کی دعاء کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا۔ اللّٰھم انجزلی ما وعدتنی اللّٰھم ان تھلک ھٰذا العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔ اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی جو اسوقت میرے ساتھ ہے۔ تو پھر آج کے بعد کوئی آپ کا نام نہ لیگا۔ کوئی آپ کی پرستش نہ کریگا۔ آپؐ پر غلبۂ حال ہی تھا۔ ورنہ عام حالات میں کوئی نبی ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتا۔ جب کوہِ طور پر موسیٰ کے ساتھی صاعقہ کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے۔ تو موسیٰؑ کی دعا کے یہ الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ اِن ھی الا فتنتك ؕ الایۃ۔ یہ تیری آزمائش ہے جس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے۔ (پارہ ۹ رکوع ۸ سورۂ اعراف آیت ۱۵۴) ظاہر ہے کہ بچھڑے کی پرستش کو اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دینا۔ غلبۂ حال ہی کی وجہ سے تھا۔ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں قصہ آیا ہے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول منافق کے مرنے پر حضورؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے بڑھے تو حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر آپؐ کا کپڑا پکڑ لیا اور آپ کو اس کی نماز جنازہ سے منع کیا۔ حضرت عمرؓ کا یہ فعل بغض فی اللہ کے غلبہ کی وجہ سے تھا ورنہ عام حالات میں نبی کے ساتھ اس کا قسم کا معاملہ کرنا خلاف ادب ہے، حدیث میں خود حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا۔ مفہوم حدیث (بخاری جلد ا ص ۱۸۲) مذکورہ

احادیث سے ثابت ہو گیا کہ جبرئیل امین ؑ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ ؑ اور فاروقِ اعظم رضؓ پر بھی کسی خاص حالت کا غلبہ ہوا ہے اس جگہ اتنا ہی کافی ہے۔

بعض صحابہ کے مسلک کے مقابلے میں امام کا مسلک اختیار کرنا۔

بعض حضرات اہلِ تقلید پر یہ الزام بڑے زور و شور سے عائد کرتے ہیں کہ وہ احادیث کے مقابلے میں اقوالِ ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ تابش صاحب نے بھی یہی بات دوسرے رنگ میں پیش فرمائی ہے۔

> فضائل نماز ص۵۱ پر ابو داؤد وغیرہ کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی کہ " اذان کی آواز سُن کر بلا عذر نماز کے لئے مسجد نہ جانے سے نماز قبول نہیں ہوتی"۔ حدیث کے فائدہ کے تحت شیخ رحؒ نے امام ابوحنیفہ رحؒ کا مسلک یہ لکھا کہ اس نماز پر ثواب نہیں ملے گا اگرچہ فرض ذمہ سے ادا ہو جائیگا۔ پھر صحابہ رضؓ و تابعین کی ایک جماعت اور بہت سے علماء کا مسلک یہ لکھا ہے کہ اُن کے نزدیک جماعت فرض ہے۔

اس پر ہمارے فاضل ناقد فرماتے ہیں کہ

> (شیخ رحؒ کے اس فعل سے) جماعت صحابہ کے تعلق سے عوام میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوتی (ایک مطالعہ ص۶۰)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض صحابہ کے قول کے بجائے امام صاحبؒ کا قول جو دوسرے

بعض صحابہ کے قول کے مطابق ہے اختیار کر لینے سے صحابہ کی توہین کیسے ہو گئی۔ کیا تابش صاحب کا مسلک صحابہ کی کسی جماعت کے مسلک سے نہیں ٹکراتا؟ حضرت ابو ذر غفاریؓ کا مسلک تھا کہ اپنے پاس مال و دولت رکھنا جائز نہیں ہے۔ غالباً محترم ناقد صاحب کا بھی یہی مسلک ہوگا۔؟ حضرت عائشہؓ و حضرت معاویہؓ معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ تابش صاحب کا مسلک اس بارے میں کیا ہے؟ ہمیں یقین ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی اور معراجِ جسمانی کے منکر نہ ہوں گے تو کیا وہ خود اپنی منطق کی وجہ سے حضرت ابوذر غفاریؓ و حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کے مسلک کے خلاف مسلک اختیار کر کے ان حضرات کی توہین کر رہے ہیں۔ معمولی عقل والا بھی جانتا ہے کہ مسلک اختیار کرنا ایک علیحدہ چیز ہے اسکا توہین سے کوئی تعلق نہیں۔ آگے چل کر حضرت مؤلف نے فضائل نماز ص۶۲-۶۳ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن جلار کا واقعہ نقل کر کے اس پر تنقید کی ہے لیکن تنقید کا تعلق دعا میں وسیلے کے عدم جواز سے ہے اور ہم اس کا جائز و مستحب ہونا بارہویں اعتراض کے جواب میں ثابت کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے [اس کے بعد اعتراض کا رُخ بزرگوں کے اُن واقعات کی طرف مڑ جاتا ہے جنمیں ایک وضو سے بارہ دن تک سب نمازیں پڑھنے ص۶۴ پندرہ برس تک نہ لیٹنے ص۶۴۔ تہجد و وتر کی تیرہ رکعت میں پورا قرآن پڑھنے۔ ص۶۶ عشاء کے وضو سے پچاس برس تک فجر کی نماز پڑھنے۔ ص۶۶ رمضان کے پورے مہینے میں نمازوں میں ساٹھ قرآن پڑھنے۔ ص۶۶ روزانہ تین سو رکعتیں پڑھنے۔ ص۶۶ کا ذکر ہے یہ تمام واقعات فضائل نماز کے ص۶۵ ص۶۶ پر لکھے ہیں] تابش صاحب کے نزدیک یہ تمام واقعات غلو فی الدین اور خلاف عقل ہونے کی وجہ سے قابلِ تردید ہیں ہم اپنے فاضل نقاد کی اس تنقید کے جواب میں کیا لکھیں۔

مشکل یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کے ماحول سے ہٹ کر کچھ سوچنے سمجھنے کے لئے بالکل تیار نہیں یہ تو ہمارے بس سے باہر ہے کہ انھیں گذشتہ صدیوں کیطرف لوٹا کر مشاھدہ کرادیں کہ ہمارے اسلاف ہم لوگوں کیطرح دن میں تین وقت شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے بلکہ کئی کئی دن فاقوں میں گذر جاتے تھے ۔ نہ کھانے کی چیز مہیا ہوتی تھی نہ پینے کی وہ ہماری طرح کمزور قویٰ کے مالک نہیں تھے کہ راتوں کو سونے کے علاوہ دن کو گھنٹہ دو گھنٹہ قیلولہ نہ کریں تو سر میں درد ہو جائے بلکہ اُن کے قویٰ ایسے مضبوط تھے کہ مسلسل فاقوں کے باوجود جہاد میں لڑنے کی طاقت اُن میں تھی لہٰذا اسی ماحول کو پیش نظر رکھ کر سوچا جائے تو ان واقعات کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی لیکن ہم اپنی بے بسی بتا چکے ہیں کہ اس ماحول میں لے جاکر تابش صاحب اور ان کی جماعت کو مشاہدہ نہیں کروا سکتے کسی کتاب کا حوالہ دینے میں اس مجبوری کے علاوہ دوسری مجبوری یہ بھی ہے کہ کہیں آنجناب اس کرفٹ پاتھ پر فروخت ہونیوالی میلادی کُتب میں شمار نہ کریں۔ جیسا کہ ایک مطالعہ صـ۲ پر قرۃ العیون جیسی معتبر کتاب کو بھی میلاد اکبر، میلاد گوہر، یوسف زلیخا اور جنگ زیتون جیسی غیر مستند و گمراہ کُن کتابوں میں شمار کر لیا ہے اللہ تعالیٰ سوءِ فہم سے ہماری حفاظت فرمائے ۔ پیٹ خالی ہو تو بارہ دن تک وضو کا باقی رہنا یا عشاء کے وضو سے فجر پڑھنا قابل رد ہرگز نہیں۔ جسمانی قویٰ مضبوط ہونیکی صورت میں طویل عرصہ تک نہ لیٹنا بھی ممکن ہے اس سے سونے کی نفی نہیں ہوتی بیٹھے بیٹھے بھی کچھ دیر سویا جا سکتا ہے حافظ قرآن کا چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں دو۲ قرآن پڑھ لینا کونسا محال فعل ہے اسکی مثالیں تو اس دور میں بھی مل جاتی ہیں روزانہ ہزار رکعتیں پڑھنا ہم جیسوں کے لیے بیشک ممکن نہیں لیکن اہل اللہ کو اپنے اوپر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں اُن کے اوقات میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرما دیتا ہے، برکت کا مفہوم یہی ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر لیا جائے خود حضورؐ

کارات کے تھوڑے سے حصے میں بیت المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے آنا اور جنّت و دوزخ کا مشاہدہ جو ہماری دنیا سے کئی درجہ وسیع ہیں۔ یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں" یہ اندازِ دین داری خدا کو پسند نہیں "۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی مطلوب دینداری یہی ہے، فتنہ کے دور میں گوشہ نشینی تک کی ہدایات ملتی ہیں کچھ لوگ اگر ایسے بھی ہوں تو ان پر طعن کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں حضرت اویس قرنیؓ نے یہی اندازِ دین داری اختیار فرمایا۔ اصحابِ صفہ کا انداز بھی یہی تھا ان میں سے کسی پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ انداز بھی غلط نہیں ہے لہٰذا تابش صاحب کا یہ بلا دلیل دعویٰ کہ، " یہ انداز دینداری خدا کو پسند نہیں "۔ نا قابل قبول ہے۔

فضائلِ ذکر کے بارے میں فریب کاریاں

بیسواں دھوکا بعنوان " ذِکر کی نرالی تعبیر "

ذکر ایک جامع لفظ ہے اور کئی معنی میں اسکا استعمال ہوتا ہے۔ تسبیح، تحمید اللہ کا نام لینا یا ذکر کرنا وغیرہ سب مفہوم ذکر میں داخل ہیں۔ دیکھئے "مصباح اللغات" حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"ذکر کے معنی لغت میں یاد رکھنا ہے" اسکا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔ یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری، ایک حقیقی، صوری زبان سے یاد کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں اور حقیقی ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر لسانی (یعنی زبان سے یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد

ہے، مگر ناقص، اور ذکرِ حقیقی ذکر اللہ کا فردِ کامل ہے اگر دونوں جمع ہوجائیں یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکرِ لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجۂ اکمل ہے غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیونکہ حقوق اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جیسے عقائد اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق الناس وغیرہ اسمیں تمام احکام شریعت آگئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق پیدا کرلینا ہے، اور تعلق کے معنیٰ ہیں لگاؤ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ، اور دل کے لگاؤ کے معنیٰ یہی ہیں کہ دل اسکی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اسکی یاد رہے جس کو عُرف میں دل میں بس جانا کہتے ہیں۔ (شریعت و طریقت ص۲۸۰، ۲۸۱)

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

[" مگر اس ذکرِ لسانی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اسکے ذریعے سے قلب میں مذکور (اللہ تعالیٰ) کی یاد رچ بس جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور فرمانبرداری پر کمرِ ہمت چُست کردے۔ یہی ذکر اللہ ہے اور جسکو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوں گی بلکہ ذکر کی صورت ہوگی۔ اسکے متصل بعد فرماتے ہیں۔ محققین صُوفیاء نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ گو (حقیقی) ذکر نہیں مگر مقصود " ذکرِ حقیقی " کے لیے تیار ہونا ہے اس واسطے بحکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب (اللہ کا دل میں رچ بس جانا) ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لئے تکرار مؤثر ہوتا ہے اور اس کے لیے تجربہ کافی ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ سنّت سے ثابت ہو (ایضاً ص۲۸۲)] حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے اس طویل عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ذکرِ حقیقی تو اللہ کی یاد کا دل میں رَچ بس جانا ہے، لیکن یہ مرتبہ ذکرِ زبانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے ذکرِ زَبانی بمعنی ورد بھی ذکر حکمی ہے۔

محترم تابش صاحب نے اس عنوان کے تحت دو اعتراض کیے ہیں۔

(۱) اس حصّے میں مولف نے عام لغات سے روگردانی کر کے ذکر کو وِرد کے معنیٰ میں باور کرایا ہے (ایک مطالعہ ص ۶۴)

(۲) شیخ الحدیث نے اس ضمن میں یہ تصور بھی دیا ہے کہ جنت کے اصل مستحق یہی خانقاہی لوگ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو صحیح معنیٰ میں ذکر کرتے ہیں۔ (ایک مطالعہ ص ۶۵)

(۳) خانقاہی تصوّف کا بھرپور پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اور ذکر کو ورد کے معنیٰ میں باور کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا گیا ہے (ایضاً ۶۵)

حضرت تھانوی کی مذکورہ بالا عبارت تینوں اعتراضات کے جوابات کے لیے کافی ہے لیکن عوام کی تفہیم کے لیے ہم کہتے ہیں کہ متعدد احادیث ایسی بھی وارد ہوئی ہیں جنمیں بعض اذکار کی تعداد متعین کر کے اُن کے پڑھنے کی ترغیب آئی ہے۔ مثلاً تسبیحاتِ فاطمہ کی تعداد متعین ہے ابوہریرہ سے مروی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص روزانہ سَو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہٖ پڑھے گا اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۰ بحوالہ بخاری و مسلم۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۴۸)

ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں کتبِ احادیث میں ایسی موجود ہیں جنمیں بعض کلماتِ ذکر کی تعداد بھی آئی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذکر کو ورد کے معنیٰ میں لیا ہے تو کیا آپ نے بھی عام لغات سے روگرانی فرمائی ہے؟ قارئین حضرت تھانوی کی مذکورہ بالا عبارت ایک بار پھر پڑھ لیں اور بتائیں کہ حقیقی ذکر یعنی اللہ کا دل میں رچ بس جانا خانقاہی تصوّف کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت شیخ نے جو یہ کہہ دیا کہ

خانقاہی لوگ ہی صحیح معنوں میں ذکر کرنے والے ہیں، تو کونسی غلط بات لکھ دی۔ کیا غیر خانقاہی لوگوں کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہے۔ کیا خود تابش صاحب کی یہ حالت ہو گئی ہے اگر ان کے دل میں اللہ رچ بس گیا ہوتا تو وہ ہرگز بلا سوچے سمجھے اپنی کتاب " ایک مطالعہ " میں الزام تراشیاں نہیں کر سکتے تھے۔

اُمّی اور لدُنّی

بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرآن و حدیث کے فہم اور اس پر عمل کے دعوے بہانگِ دہل کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان مبارک علوم سے روگردانی انکا شیوہ ہوتا ہے اس کی مثال ملاحظہ فرمانا ہو تو

" ایک مطالعہ ص ۶۵ نکال کر دیکھ لیجئے فرماتے ہیں ص ۳۵ پر مولف فضائل ذکر نے شیخ عبدالعزیز دباغ کو اُمّی کہا ہے جبکہ اُمّی صرف نبی ہی ہو سکتا ہے غیر نبی کے لیے لدُنّی کی اصطلاح ہے۔"

ہمیں یقین ہے کہ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنیوالا کوئی شخص بھی ایسی بچکانہ اور پوچ بات نہیں کر سکتا یہ ایک مطالعہ کے مصنف کی خود ساختہ اصطلاح تو ہو سکتی ہے لیکن قرآن و حدیث سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معلوم نہیں ناقدِ محترم نے اتنی پوچ بات بلا دلیل کیوں پیش کر دی جبکہ تنقید نگاری دلیل کا مطالبہ کرتی ہے۔ قرآن یہودیوں کے بارے میں کہتا ہے۔ وَ منهم اُمِّيّون لاَ يعلمون الكتبَ (الآیۃ) سورۃ بقرہ پارہ ۱ آیت نمبر ۷۸ ۔ ترجمہ ، اُن میں ایک دوسرا گروہ اُمیوں کا ہے جو کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل ص ۸۸) یہاں جن یہودیوں کو اُمّی کہا گیا ہے کیا وہ تابش صاحب کے نزدیک نبی تھے؟ دوسری آیت ھُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الآیۃ) (حوالہ سورہ جمعہ پارہ ۲۸ آیت ۲)

وہی ہے جس نے اُمیّوں کے اندر ایک رسول انھیں میں سے اٹھایا۔ الیٰ آخرہ۔ تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۴۸۵۔ اس آیت پاک میں اُمت کو اُمّی کہا گیا ہے۔ اب ذرا حدیث بھی دیکھ لیجیے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ارشادِ رسول ہے کہ اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ الخ ہم امی امت ہیں لکھنا اور حساب نہیں جانتے۔ (بخاری شریف) جلد اول صفحہ ۲۵۶ مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۳۴۷۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۴ باب رویت الہلال) مذکورۂ بالا آیت و حدیث پاک میں پوری اُمت کو اُمّی کہا گیا ہے غالباً محترم تابش صاحب سب کو نبی مانتے ہوں گے۔ ؟؟ ناظرین دیکھ لیں بغیر علم و تحقیق کے شوقِ تنقید پورا کرنے کے نتائج کہاں تک پہنچ رہے ہیں ہمیں حیرت ہے کہ قرآن و حدیث سے متصادم بات نقل کرتے ہوئے جناب تابش صاحب کا دل کیوں نہیں لرز گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سب کچھ خانقاہی تصوف سے فرار کی کرم فرمائیاں ہیں جنہوں نے خوفِ خدا سے دل کو عاری کر دیا ہے۔

۲۱ اکیسواں دھوکا بعنوان "ذرا یہ بھی پڑھیئے"

جناب ناقد صاحب پڑھنے کا حکم تو دے رہے ہیں، لیکن کہاں تک پڑھیں، جو کچھ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں اسی نے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ وہاں انہوں نے کونسا تیر امار لیا۔ جو آگے پڑھنے کا فرما رہے ہیں لیکن ہم انکا دل بھی دکھانا نہیں چاہتے، بے چاروں نے اتنی مغز پاشی کی تو پڑھ لینے میں کیا حرج ہے اس عنوان کے تحت فضائل ذکر صفحہ ۳۶ کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

" حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو تم میں عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے، اور بخل کیوجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو، اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکتا ہو۔ اسے چاہیئے کہ ذکر کثرت سے کیا کرے "

حدیث نقل کر کے فائدہ کے تحت شیخ رح لکھتے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو عبادات نفلیہ میں ہوتی ہے، اللہ کے ذکر کی کثرت اس کی تلافی کر سکتی ہے، ہمارے تنقید نگار مجاہد کو حدیث دیکھ کر ہی جلال آگیا ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلک کے خلاف بات کیوں بیان فرما دی؟ پھر حضرت شیخ رح کی سچی اور سیدھی بات نے اُن کے جلال کو اس درجے میں پہنچا دیا جس کو اردو زبان میں "آپے سے باہر ہونا" کہا جاتا ہے۔ جب آدمی اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج و ناکارہ ہو جاتی ہے، ورنہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے تشریحی نوٹ نے بات بالکل صاف کر دی تھی کہ حدیثِ پاک میں ذکر کو جو راہِ خدا میں مال خرچ کرنے اور جہاد وغیرہ پر فضیلت دی گئی ہے اس سے صرف صدقاتِ نافلہ اور نفل جہاد مراد ہے، صدقاتِ واجبہ اور فرض جہاد مُراد نہیں جس طرح ہر نماز، ہر صدقہ، ہر حج اور ہر روزہ فرض نہیں ہوتا۔ بلکہ فرض اعمال کی تعداد اللہ تعالیٰ نے بہت کم رکھی ہے، چوبیس گھنٹے میں صرف پانچ نمازیں، جن کی رکعتیں وتر کو شمار کر کے بیس ہوتی ہیں۔ زکوٰۃ میں کل مال کا صرف چالیسواں حصہ، بارہ مہینوں میں صرف ایک ماہ کے روزے۔ حج پوری زندگی میں صرف ایکبار کرنا فرض قرار دیا گیا۔ زکوٰۃ و حج میں مزید سہولت کے لیے ایک مخصوص نصاب، شرائط مقرر کر دیئے گئے۔ اسی طرح ہر جہاد بھی فرض نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی میدان و موقع ہو اسی وقت فرض کیا گیا۔ ہر حال میں فرض نہیں کیا گیا۔ پھر خواتین، اطفال، بوڑھوں، ضعیفوں، اور بیماروں کا اس فرضیت سے استثناء کر دیا گیا۔ فرضیتِ جہاد بھی مخصوص حالات کے تحت رکھی گئی۔ عام حالات میں اسکو نفل

قرار دیا گیا۔ اس تفصیل سے یہ بات ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی طرح جہاد بھی ایک عملی چیز ہے اور جس طرح مذکورہ چاروں عبادتوں کی صرف باتیں کر لینے سے .... یہ عبادتیں ادا نہیں ہو سکتیں، اسی طرح جہاد کی بھی صرف باتیں کر لینے سے جہاد ہرگز نہ ہوگا۔ جہاد کے لئے کوئی میدان سامنے نہ ہو ایسے موقع پر جہاد کی آوازیں بلند کرنا ایسا ہی ہے جیسے شکاری کے سامنے کوئی شکار نہیں اور وہ دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دے ظاہر ہے اسکی یہ ہوائی فائرنگ بیکارِ محض ہوگی۔

"تابش صاحب کو حدیثِ بالا پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی تحقیق کے مطابق جب یہ حدیث ضعیف ہے، اور خود انھوں نے عربی میں اسکی وضاحت بھی فرمادی، تو اُسے نقل ہی کیوں کیا۔ اگر نقل کیا تھا تو اپنی تحقیق کا اردو ترجمہ کیوں نہیں کر دیا۔ بصورتِ موجودہ اس کو مغالطہ انگیزی ہی کہا جائیگا۔ (مفہوم عبارت ایک مطالعہ ص ۶۶"

عرض خدمت ہے کہ ضعیف حدیث کا نقل کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ عقائد واحکام کا موضوع نہ ہو تو فضائل کے متعلق ضعیف حدیثیں قابلِ قبول بھی ہوتی ہیں۔ محدثین یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت سی ضعیف حدیثیں ایک موضوع پر ہوں تو ضعف ختم یا کم ہوجاتا ہے فضائلِ ذکر پر بھی متعدد احادیث آئی ہیں جنمیں ذکر کو دوسرے اعمال پر فضیلت دی گئی ہے لہٰذا انکا ضعف بڑی حد تک دور ہوگیا۔ مولانا مودودی مرحوم نے مشکوٰۃ کے فضائلِ صوم والی احادیث کی اردو میں شرح کی ہے ان کی زندگی میں ہی یہ شرح کتابی شکل میں شائع ہوگئی تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مشکوٰۃ میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں ہے ؟ یقیناً ہے! صاحبِ مشکوٰۃ نے اس کی وضاحت بھی کردی۔ پھر مودودی مرحوم نے اپنی شرح میں ان ضعیف حدیثوں کو کیوں نقل کیا ؟ ابن ماجہ۔ نسائی، ترمذی

وغیرہ میں کونسی کتاب ہے جو ضعیف حدیث سے خالی ہے۔ آخر ان بڑے بڑے محدثین نے ایسی حدیثیں اپنی کتاب میں کیوں لکھ دی ہیں ؟۔ فن حدیث سے مناسبت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حدیث کے ضعیف ہونے سے ہر حال میں اسکا غیر معتبر ہونا لازم نہیں آتا اب یہ سوال یا اعتراض باقی رہ جاتا ہے شیخ رحؒ نے حدیث بالا کے بارے میں اپنی عربی تحقیق کا ترجمہ کیوں نہیں کیا۔ ؟ اس تعلق سے یہ عرض ہے کہ عوام حدیث کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے یہ چیز ماہرین فن ہی سے تعلق رکھتی ہے اور وہی اس کو سمجھ بھی سکتے ہیں۔ لہٰذا عوام کے لئے تحقیقی باتوں کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بائیسواں[۲۲] دھوکا بعنوان "بدعت کا دیندارانہ دفاع"

ہم اپنا خیال اور تاثر ظاہر کر چکے کہ محترم تابش مہدی صاحب نے علم حدیث پر گہری نظر نہ ہونے کے باوجود قلم تنقید ہاتھ میں لے لیا۔ اسی لیے اپنے خود ساختہ نظریات اور عقل کے خلاف جو بھی حدیث کتب فضائل میں مل رہی ہے اس کو رد کرتے جا رہے ہیں۔ فضائل ذکر ص۳۹ پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل اللہ کی معرفت کے تعلق سے چند احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا۔

" بعض لوگ پکار کر ذکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی سے پیدا ہو گیا ہے۔ " مصنف ایک مطالعہ کو اس سے اتفاق نہیں ہے اس لیے پورے اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں۔

> حقیقت یہ کہ چلا چلا کر نعرہ بلند کرنا یا ضربیں لگانا محض شعبدہ بازی ہے نہ تو اسکا ثبوت قرآن وسنت سے ملتا ہے اور نہ صحابۂ کرام میں سے کسی نے ایسا کیا ہے (ایک مطالعہ ص۶۷)

شیخ کی بات سے اتفاق نہ ہونے کی وجہ دلیلیں نہ پیش کرنا لکھی گئی۔ ہم تابش صاحب کی فریبکاری سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں حضرت شیخؒ نے ایک دو نہیں، بلکہ پچاس حدیثوں کا حوالہ جہری ذکر کے جواز پر دیا ہے ناقد محترم نے وہ جملہ ہی اڑا دیا۔ تاکہ ناظرین اعتماد کریں کہ جواز کا دعویٰ بلا دلیل ہے فضائل ذکر ص۳۹ پر مذکورہ بالا جملے کے متصل بعد شیخؒ تحریر فرماتے ہیں۔

> "مولانا عبدالحیؒ نے ایک رسالہ "سباحۃ الفکر" اسی مسئلہ میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے ذکر جہر (پکار کر) ثابت ہوتا ہے۔ (فضائل ذکر ص۳۹)"

صحیح اور علمی طریقہ کار تو یہ تھا کہ پہلے تابش صاحب حضرت شیخؒ کی محولہ کتاب "سباحۃ الفکر" کو حاصل کرکے اسمیں درج شدہ تقریباً پچاس حدیثوں کا مطالعہ فرمالیتے اور پھر ان پچاس حدیثوں کو رد کرکے ذکر جہر (ذکر باآواز بلند) کے عدم جواز پر کم از کم اتنی ہی روایات پیش فرمادیتے لیکن انہوں نے یہ سب کچھ نہ کرتے ہوئے حضرت شیخؒ کا وہ جملہ ہی غائب کردیا جو دلیل کا کام کررہا تھا۔ اور پھر مزے کی بات تو یہ کہ اپنا نظریہ ذکر جہری کے بدعت ہونے کا تو پیش کردیا لیکن دلیل نام کی کوئی چیز نہیں پیش فرمائی۔ گویا اپنے دعوے پر دلائل پیش کرنا فرض حضرت شیخ اور ان کے ہم مسلکوں کی ہی ذمہ داری ہے۔ تابش صاحب اور ان کے ہمنوا اس ذمہ داری سے مبرّا، ہیں کیا یہ کوئی معقول بات ہوئی ؟

ہمارا اور جمہور اہل اسلام کا مسلک ذکر جہری کے بارے میں وہی ہے جو حضرت شیخؒ نے لکھا ہے اس لئے قارئین کے سامنے چند صاف، واضح اور صحیح حدیثیں ذکر جہری کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور چونکہ فاضل ناقد بغیر متن کے کوئی حدیث قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اس لئے متن بھی لکھا جارہا ہے۔

(۱) عن ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ احد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری ۱/۵ ص ۱۱۶)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا۔ جب لوگ فرض سے فارغ ہو جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ (بخاری شریف جلدا ص ۱۱۶)

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ذکر جہر کا معمول تھا۔

(۲) وفی روایۃٍ عن نسائیؒ عن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ عن ابیہ قال کان یقولؐ اذا اسلم سبحان الملک القدوس ثلثاً ویرفع وصوتہ بالثالثۃ (مشکوٰۃ ص ۱۱۲)

ترجمہ:۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے ابوداوٗد اور نسائی کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جسکے راوی اُبَیّ بن کعبؓ ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وِتر کا سلام پھیر لیتے تو سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ پڑھتے تھے۔ نسائی میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپؐ یہ الفاظ تین مرتبہ کہتے تھے اور طول دے کر کہتے تھے۔ اس کے بعد صاحبِ مشکوٰۃ نے نسائی شریف کی وہ روایت نقل کی ہے جس کا متن ہم نے لکھا ہے۔ ترجمہ یہ ہے۔ اور نسائی شریف کی ایک حدیث میں جس کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ وِتر کے سلام کے بعد تین مرتبہ سُبحان المَلِكِ القدوس کہتے تھے اور تیسری مرتبہ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲)

اس روایت نے بھی صاف بتادیا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذکر جہری کرتے تھے ساتھ ہی اس روایت پر مشکوٰۃ کا حاشیہ بھی دیکھ لیا جائے۔ محشی لکھتے ہیں ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت مسند احمد اور دار قطنی میں بھی ہے اس سے دلالت ہو رہی ہے بلند آواز سے ذکر پر۔ بلکہ ریا، کا خوف نہ ہو تو استحباب معلوم ہو رہا ہے (اس کے بعد محشی نے

ذکرِ جہری کی چند حکمتیں لکھ کر فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدثؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ذکر جہر کا مشروع ہونا معلوم ہو رہا ہے اور وہ بلاشبہ شریعت میں ثابت ہے (حاشیہ مشکوٰۃ)

اگر تابش صاحب کی بات مان کر ذکرِ جہری کو بدعت اور شعبدہ بازی قرار دے دیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ، امام نسائیؒ، امام احمدؒ، امام دار قطنیؒ، ابنِ حجر عسقلانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور جمہور علمائے امت، بہ الفاظِ دیگر تابش صاحب اور انکی جماعت کے علاوہ اُمت کے تمام اکابر بدعت و شعبدہ بازی پر عمل کرتے رہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

تیئسواں ۲۳ دھوکا بعنوان "یہ عقیدہ قرآنی احکام سے میل نہیں کھاتا"

" مُصنف ایک مطالعہ نے اس جگہ چند آیاتِ قرآنیہ پیش فرمائی ہیں۔ پہلے نمبر پر سورۂ انفطار پارہ ۳۰ کی تین آیتیں (۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳) اس کے بعد سورۂ کہف کی آیت نمبر ۴۹ اور آخر میں سورۂ الانعام کی آیت نمبر ۱۶۰ ہے۔ سورۂ انفطار کی آیتوں میں کراماً کاتبین کا ذکر کرکے بتایا گیا ہے یہ فرشتے انسان کے تمام اعمال جانتے ہیں اور اُن کو لکھتے ہیں۔ کہف کی آیت میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے کہ مجرمین قیامت کے دِن اپنا اعمال نامہ موجود پائیں گے۔ سورۂ انعام کی آیت میں نیک عمل پر دس گُنا اور بُرے عمل پر اس کے برابر سزا کا، اور لوگوں پر ظلم نہ کئے جانے کا ذکر ہے۔ سورۂ انفطار اور سورۂ کہف کی آیتوں کو دلیل بنا کر اور سورۂ انعام کی آیت سے اس دلیل کو تقویت دے کر۔ فضائل ذکر ص۴۳، فضائل درود ص۸۸ کی حدیثوں پر تنقید کرکے انھیں مذکورۂ بالا آیتوں سے متصادم بتایا گیا ہے۔ فضائلِ ذکر کی حدیث یہ ہے۔"

"مسند ابویعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل

کیا ہے۔ کہ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں، ستر درجہ دو چند ہوتا ہے، جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کراماً کاتبین اعمال نامے ہاتھ میں لے کر آئیں گے تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندے کے اعمال نامے دیکھو کچھ اور باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے، ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو نہ لکھی ہو اور محفوظ نہ ہو، تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اسکی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں، وہ ذکر خفی ہے۔ (فضائل ذکر ص۴۳)

" محترم مؤلف صاحب کا طریقۂ استدلال یہ ہے کہ ذکر خفی بھی نیکی ہے اور آیت قرآنیہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اعمالنامے لکھنے والے فرشتے ہر نیکی سے باخبر ہیں اور ضرور لکھ لیتے ہیں ذکرِ خفی کو بھی ضروری لکھتے ہوں گے اگر اسکا اندراج نہ مانا جائے تو شرکِ خفی کا اندراج نہ ہونا بھی لازم آتا ہے۔ (مفہوم ایک مطالعہ ص۶۷ تا ۶۸) "

حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں سورۃ انفطار کی آیت وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ۝ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۝ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ " یعلمون ماتفعلون میں ظاہراً کلمہ " ما " کا عام ہے، مگر ایک حدیث سے گو وہ ضعیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی بعض اعمال قلبیہ ملائکہ کاتبین سے بھی مخفی رہتے ہیں محض اللہ تعالیٰ ہی کو اسکا علم ہے چنانچہ حواشی حصن حصین میں بحوالۂ مرقات بتخریج ابو یعلیٰ بروایت عائشہؓ بدور سافرہ سیوطیؒ سے حدیث مرفوع نقل کی ہے اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے ذکر خفی کی وہی روایت نقل کی جو فضائل ذکر ص۴۳ پر حضرت شیخؒ نے لکھی ہے۔ التکشف عن مہمات التصوف کے صفحہ ۷۰۷، ۷۰۸ پر بھی یہ حدیث نقل کر کے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں " رہا یہ (اشکال) کہ گو سماع نہ تھا مگر اعمالِ قلبیہ کا علم تو لکھنے والے فرشتوں کو " ہوتا ہے۔ تو اس وجہ سے (ذکر خفی کو بھی) لکھنا ضرور تھا۔ چنانچہ عزمِ حسنہ (نیکی کا ارادہ) کا لکھا جانا احادیث میں موجود ہے (اس اشکال کا) جواب یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ اعمالِ قلب میں سے گو اکثر کی اطلاع ہوتی ہے مگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر بدون درودِ استثناء کے بقیہ اعمال کو اسی اکثر میں داخل سمجھا جائے گا۔

"روایتِ درود پر تنقید"

حضرت شیخؒ نے مواہبِ لدنیہ اور تفسیرِ قشیری کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کسی مومن کی نیکیاں کم وزن ہوجائیں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرچہ سر انگشت کے برابر نکال کر میزان میں رکھ دیں گے جس سے نیکیوں کا پلہ وزنی ہوجائے گا۔ وہ مومن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں آپ کون ہیں ؟ آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچھی ہے آپؐ فرمائیں گے کہ میں تیرا نبی ہوں' اور یہ درود شریف ہے جو تونے مجھ پر پڑھا تھا میں نے تیری حاجت کے وقت اس کو ادا کر دیا۔ (فضائل درود ص۸۸)

مصنف ایک مطالعہ اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> کیا درود شریف بھی ذکرِ خفی ہے۔ جو فرشتوں کے ریکارڈ میں درج ہونے سے رہ گیا ؟ آخر حضورؐ تک یہ درود شریف کس طرح پہونچا ؟ اور کس کا لکھا ہوا تھا کیا فرشتوں کے علاوہ بھی کوئی دوسری ہستی لکھنے پر مامور ہے۔ (ایک مطالعہ ص۱۷)

فضائل درود ص۸۸ کے علاوہ یہ واقعہ اسی رسالے کے ص۲۸ پر بھی مفید تشریح کے ساتھ لکھا ہے نیز مواہب لدنیہ تفسیر قشیری کے علاوہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی اس کو زاد السعید میں تحریر فرمایا ہے۔ تو جس روایت کو بڑے بڑے علماء نے نقل فرمایا ہے۔ اسکو مؤلف ایک مطالعہ کیوں رد کر رہے ہیں کیا صرف اس لیے کہ قرآن کی آیتوں اور اس

حدیث میں انھیں تضاد نظر آ رہا ہے ؟ اگر اس قسم کی باتیں دلیل بن سکتیں تو روافض کا مذہب تمام مذاہب میں صحیح تر ہونا چاہیئے کیونکہ اُن کے دین کی بنیاد ہی عقل پر ہے چنانچہ ان کی عقل عذاب قبر کی حدیثوں کو تسلیم نہیں کرتی اس لیے انہوں نے اُن حدیثوں ہی کا انکار کر دیا ۔ بالکل یہی طریقہ تابش مہدی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے ورنہ اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ٹکراؤ ہو ہی نہیں سکتا ۔ جہاں بھی بظاہر ٹکراؤ نظر آئیگا وہاں کوئی مناسب تاویل کر کے اس ٹکراؤ کو دور کر دیا جائیگا ۔ ترمذی شریف میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جسمیں بتایا گیا ہے کہ گناہوں کے ننانوے ۹۹ دفاتر کسی شخص کے قیامت کے دن پھیلے ہوں گے ۔ وہ بندہ اپنی بداعمالیوں کا نہ تو انکار کر سکے گا اور نہ کوئی عذر پیش کر سکے گا ۔ اور اپنی مغفرت ہونے سے بالکل مایوس ہو جائیگا اسوقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ۔ اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے پھر ایک پرچہ نکال کر اللہ تعالیٰ اس بندے کے پاس دیں گے اور نامہ اعمال کا وزن کرانے کا حکم فرمائیں گے اس پرچہ پر کلمۂ شہادت لکھا ہوگا ۔ جو وزن میں گناہوں کے ننانوے دفتروں سے بھی بھاری ہو جائیگا ۔ کیا محترم تنقید نگار ترمذی کی اس حدیث کا انکار کر دیں گے ۔ کلمۂ شریف کا خاص تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے ۔ اور درود شریف کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔

لہٰذا دونوں حدیثوں کو قبول کر کے یہ تاویل کی جائیگی کہ کلمۂ طیبہ اور درود شریف دونوں ہی چیزیں نامۂ اعمال میں ضرور لکھی ہوئی ہوں گی ۔ جیساکہ قرآن پاک سے ثابت ہے لیکن وزن سے کلمہ والا پرچہ خود اللہ تعالیٰ نکال کر اپنے پاس رکھ لیں گے ۔ اور نامۂ اعمال کے دفتر میں سے اللہ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف والا پرچہ نکال لیں گے اور جب اعمال کا وزن ہوگا اور گناہوں کا پلڑا بھاری اور وزنی ہو جائیگا تو کلمۂ طیبہ اور درود شریف کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ پرچے ترازو میں ڈال دیئے جائیں گے ۔ ترمذی

شریف میں ایک حدیث آئی ہے جس کے راوی حضرت انس رضؓ ہیں انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن خود کے لئے سفارش کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسکا وعدہ فرمالیا تو حضرت انسؓ نے پوچھا کہ قیامت کے دن میں آپؐ کو کہاں تلاش کروں؟ آپؐ نے جواب میں تین جگہوں کی نشاندہی فرمائی کہ پہلے "پل صراط پر" وہاں نہ ملنے پر، میزان کے پاس، وہاں بھی نہ ملنے پر حوضِ کوثر پر تلاش کرنا۔

ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ قیامت کے دن ان تین، جگہوں پر اُمّت کے حالات کی نگرانی کرتے پھریں گے۔ میزان کے پاس بھی آپ کا جانا حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو اگر نامۂ اعمال میں سے اللہ کے حکم سے درود شریف کا پرچہ نکال کر آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ اور ضرورت کے وقت ترازو میں ڈال دیں تو نہ اسمیں شریعت کے خلاف کوئی چیز ہے اور نہ عقل کے خلاف۔ فضائلِ درود کی اس روایت پر دوسرا اعتراض کرتے ہوئے۔ مؤلف ایک مطالعہ لکھتے ہیں۔

> وہ اللہ کا بندہ مومن ہونے کے باوجود اپنے نبی کو نہ پہچان سکے گا۔ تو کیا قبر کے مراحل سے گذارے بغیر ہی نامۂ اعمال اُسے تھما دیا جائیگا؟ یا قبر کے مراحل سے تو گذار دیا جائیگا مگر اس کے سامنے آنحضورؐ کو نہیں لایا جائے گا۔ (ایک مطالعہ ص۱۷)

تابش صاحب نے سطور بالا میں دعویٰ کیا ہے کہ منکر نکیر کے سوالات میں سے ایک سوال قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ہوگا اور آپؐ کی شکل مبارک دکھا کر پوچھا جائیگا کہ یہ کون ہیں؟ اُن کا طریقۂ استدلال یہ ہے کہ جب مومن بندہ اپنے نبی کو قبر میں دیکھ لیگا تو قیامت کے دن کیسے نہ پہچان سکے گا؟ اسکے بارے میں عرض ہے کسی بھی حدیث میں اس

بات کی وضاحت نہیں ہے کہ مُردہ کو آپؐ کی صورتِ مبارکہ دکھائی جائے گی۔ الفاظِ حدیث مُبہم ہیں۔ مثلاً براء ابن عازب کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"فیقولان ما ھٰذا الرّجل الذی بعث فیکم" اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تمہارے درمیان رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ بہر حال مُردہ کو آنحضورؐ کی شکل مبارک دکھائے جانے پر احادیث کے الفاظ واضح نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے عُلماء کا اسمیں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کی صفات بیان کر کے۔ فرشتے سوال کرینگے بعض کا خیال ہے کہ آپ کی زیارت کروانے کے بعد سوال ہوگا۔ اگر زیارت کروا کر سوال ہو تب بھی درود والی حدیث پر وہ اشکال نہیں کیا جا سکتا۔ جو مؤلف ایک مطالعہ نے کیا ہے کیونکہ ایک مرتبہ کسی کو تھوڑی سی دیر کے لئے دیکھ لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صورت کبھی ذہن سے نہ نکلے۔ بہت سے لوگوں سے ہم پہلے ملاقات کرتے ہیں لیکن دوسری ملاقات میں اُس کو پہچان نہیں سکتے۔ دیکھنے کو زیادہ عرصہ ہونے پر بھی صورتیں ذہنوں سے محو ہو جاتی ہیں پھر حضور کی زیارت قریب سے بھی نہ ہو گی بلکہ آپؐ کی اور مُردہ کی قبر کے درمیانی حجابات ہٹا کر زیارت کروائی جائے گی۔ قیامت کے دن انسان پر خوف اور پریشانی کا عالم طاری ہوگا۔ جس سے اسکا ذہن منتشر ہوگا تو ایسے وقت میں اگر وہ حضورؐ کو نہ پہچان سکے تو اس میں کچھ بھی اشکال کی بات نہیں ہے۔ فضائل درود کی مذکورہ بالا احادیث کے قرآن پاک سے متصادم ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد ناقدِ محترم لکھتے ہیں:

> "شاید یہی وجہ ہے کہ محترم شیخ اور ان کے ارادتمند یا ترجمہ قرآن پڑھنے یا براہِ راست قرآن سے استفادہ کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ الخ (ایک مطالعہ ص۱۰۲)

حضرات علماء قرآن پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ با ترجمہ پڑھنے کی

ممانعت اس لیے نہیں کرتے جیسا کہ مصنف ایک مطالعہ نے تاثر دینا چاہا ہے بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ انکا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ پڑھ کے اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر بڑے بڑے علماء تک کے اقوال کو بغیر سوچے سمجھے رد کرنے لگتے ہیں اور یہ بات دین کے لئے انتہائی خطرناک ہے آگے چل کر جناب تابش صاحب نے فضائل ذکر سے چند اشعار نقل کئے اور ان کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> مجھ جیسا شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ محترم شیخ ایسے شعروں کو اپنے حافظہ میں جگہ دیں گے ۔ (ایک مطالعہ ص۷۲)

حضرت شیخ رح کے نقل کردہ اشعار کا تعلق (عشق) سے ہے اس لیے ناقدِ محترم نے اُن اشعار کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی ہے لیکن جو حضرات مشائخ کے مزاج سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہوگا کہ ان مقدس حضرات کی مراد عاشقانہ مضامین یا اشعار سے عشقِ مجازی نہیں ہوتی بلکہ وہ اُن اشعار سے عشقِ حقیقی کا مفہوم لیتے ہیں۔ عشقِ مجازی کی اُن کے نزدیک کچھ اہمیت نہیں ہوتی کیونکہ اُن کے مبارک قلوب اللہ تعالیٰ کے عشق سے لبریز ہوتے ہیں اور اسی کا نام عشقِ حقیقی ہے حضرت شیخ رح نے جو اشعار عشق کے لکھے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عشق پر محمول ہیں۔ اُن سے زلف و رُخسار والا عشق مراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ خود یہ مراد لینے والے کے ذہن پر زلف و رُخسار کا غلبہ ہے۔

ع ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اسی صفحہ پر مؤلف ایک مطالعہ نے خانقاہی تصوف کے خلاف پیچ و تاب کھانے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت شیخ رح نے فضائل ذکر ص۴۳ پر ـ" حضرت جنید کے نام کے ساتھ

رضی اللہ عنہ کا اضافہ بھی کر دیا تاکہ قارئین اس مغالطہ میں آکر کہ یہ صحابی تھے اُسے آنکھ بند کر کے تسلیم کریں ۔" (ایک مطالعہ ص۲)

خانقاہی تصوف کی حقیقت آئندہ اعتراض کے جواب میں تفصیل سے لکھیں گے یہاں صرف رضی اللہ عنہ کے اضافے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ مشہور اولیاء اللہ میں سے تھے، اور عوام بھی اس بات سے واقف ہیں کہ وہ ولی ہیں۔ اس لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ دینے سے تابش صاحب جیسے کم فہم لوگ تو انھیں صحابی سمجھ سکتے ہیں لیکن عوام میں سے شاید ہی کوئی انکو صحابی سمجھ سکے۔ اور پھر ناقدِ محترم کا یہ جملہ تو بڑا ہی عجیب ہے [کہ قارئین اس مغالطہ میں آکر کہ یہ صحابی تھے اُسے آنکھ بند کر کے تسلیم کریں]۔ جماعتِ اسلامی کا دستورِ اساسی تو یہ ہے کہ رسولِ خدا کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ الخ ۔ کیا علماء حق کی مسلسل تنقید سے گھبرا کر جماعتِ اسلامی نے اپنا یہ دستور بدل دیا۔ اور صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق تسلیم کر لیا ہے۔؟

"توہینِ رسول کا الزام"

مؤلف ایک مطالعہ لکھتے ہیں۔ ..... [حیرت تو یہ ہے کہ شیخؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ انکو اللہ نے حکم دیا کہ تم مراقبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو چنانچہ حضورؐ نے اُن کی تلاش شروع کردی اور وہ مل گیئے ۔ (ایک مطالعہ ص۳) ہم نے جب فضائل ذکر کے محولہ صفحات نکال کر دیکھے تو وہاں شیخؒ کے قول کے بجائے آنحضورؐ کی ایک حدیث ملی یہ تابش صاحب کی فریب کاری ہے کہ انھوں نے قولِ رسولؐ کو قولِ شیخؒ سے تعبیر فرمایا ۔ وہ حدیث ملاحظہ فرمایئے۔ جس کے راوی عبدالرحمٰن بن سہل بن حنیف ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ میں تھے کہ آیت وَاصْبِرْ نَفْسَكَ

نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے پاس (بیٹھنے کا) پابند کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ حضور اقدسؐ اس آیت کے نازل ہونے پر اُن لوگوں کی تلاش میں نکلے ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے بعض لوگ اُن میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں (کہ ننگے بدن ایک لنگی صرف ان کے پاس ہے) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو اُن کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے اُن کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔ اس کے بعد — حضرت شیخ رحؒ نے اسی مضمون کی چند حدیثیں تحریر فرما کر لکھا ہے انہیں جیسے احکام سے صوفیاءؒ نے استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو بھی مُریدین کے پاس بیٹھنا ضروری ہے کہ اسمیں علاوہ فائدہ پہنچانے کے اختلاط سے شیخ کے نفس کے لئے بھی مجاہدہ تامہ ہے کہ غیر مہذب لوگوں کی بدعنوانیوں کے تحمل اور برداشت سے نفس میں انقیاد پیدا ہوگا، اس کی قوت میں انکسار پیدا ہوگا، اس کے قلوب کے اجتماع کو اللہ جلّ جلالہٗ کی رحمت اور رأفت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے الخ (فضائل ذکر ص۴۵) حضرت شیخ کی اِس عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مذکورۂ بالا حدیث میں جو حضورؐ کی ذاکرین کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ انھیں حضور کی صحبت سے فائدہ پہنچے، لیکن تابش صاحب حضرت شیخ رحؒ کی توضیحی عبارت سے آنکھیں بند کرتے ہوئے حدیث سے یہ مطلب اخذ کر رہے ہیں کہ ——————

> یہ بات کس درجہ مضحکہ خیز ہے کہ دنیا کی وہ عظیم ہستی جو لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے آئی تھی اسے محتاج بنا دیا گیا اور چند ھُو، حقّ کرنیوالوں کا اسے پابند بنا کر اُن کے پاس جانے اور اُن سے فیض حاصل کرنے کی تلقین فرمادی۔ حالانکہ جس کا خدا معلّم ہو اس کے لئے کسی سے استفادہ کی

کیا ضرورت ہو سکتی ہے یہ عظمتِ رسول کی توہین و تضحیک ہے۔
(ایک مطالعہ صفحہ ۴۳)

حضرتِ شیخ رح اور ان کے ناقد دونوں ہی کی عبارتیں ہم نے قارئین کے سامنے رکھ دی۔ قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ تابش مہدی کے اخذ کردہ مفہوم میں اور حضرت شیخ رح کے مفہوم میں بڑا عظیم تضاد ہے یا نہیں؟۔ حضرت شیخ رح تو حدیث کے حکم کی غرض حضور ؐ کا ذاکرین کو فائدہ پہنچانا بتارہے ہیں جس سے حضور ؐ کی عظمت ظاہر ہورہی ہے لیکن تابش صاحب اس حکم کی خود ساختہ وجہ خود حضور ؐ کا ان لوگوں سے فیض حاصل کرنا بتارہے ہیں۔ یہ تنقید نگار کی فریب کاری نہیں تو اور کیا ہے۔

۲۴ چوبیسواں دھوکا بعنوان "ایں چہ ؟"

[سورۂ فاطر آیت نمبر ۳۴۔۳۵ نقل کرکے مؤلف ایک مطالعہ اسکا ترجمہ لکھتے ہیں " اور کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے رنج و غم دور کیا ہے ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور قدرداں ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لااتارا جہاں ہمکو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔ (ترجمہ مولانا تھانوی رح)] ترجمہ کے کچھ سطروں بعد فضائل ذکر صفحہ ۷۸ سے یہ روایت نقل کی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ سلم کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہے نہ میدانِ حشر میں اسوقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ جب وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے

(قبروں سے) اٹھیں گے اور کہیں گے " تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے ہمیشہ کے لئے رنج وغم دور کر دیا۔" اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے فاضل ناقد لکھتے ہیں۔

> قارئین غور فرمائیں کہ یہ روایت منقولہ بالا آیت قرآنی سے کس درجہ ٹکرا رہی ہے دونوں میں کسی قسم کا تطابق ہی نہیں ہے حالانکہ اس روایت کے نیچے ہی محترم شیخ نے (عربی میں) یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور ضعیف ہے وغیرہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک روایت جو کہ آپ کی تحقیق کے مطابق منکر ہے یا ضعیف ہے کیا ضرورت تھی اسے نقل کرنے کی۔! (ایک مطالعہ ص ۹۴)

تابش صاحب نے جو آیتیں پیش کیں اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اس وراثت کیلئے اپنے بندوں میں سے چن لیا اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے یہی بہت بڑا فضل ہے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے وہاں انھیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائیگا۔ وہاں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔ (فاطر آیت ۳۲-۳۳) (ترجمہ مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۲۳۳-۲۳۶) اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے مسلمانوں کا اعمال کے اعتبار سے ذکر کیا ہے۔ (۱) گنہگار (۲) درمیانی درجے کے یعنی مخلوط عمل والے (۳) نیکیوں میں سبقت کرنے والے۔ مولانا مودودی مرحوم نے، امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، بیہقی وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابو دردا ؓ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

" جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں

گے اور جو بیچ کی راس رہے ہیں اُن سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے۔ پھر انھیں کو اللہ اپنی رحمت میں لے لیگا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم ۲۳۵/۲۳۶)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے یعنی صرف گنہگار مسلمان طویل حساب کی پریشانی سے نجات پاکر کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ لہٰذا فضائلِ ذکر ص۸۲ والی روایت کو پہلی دونوں قسم کے مسلمانوں پر محمول کر کے کہا جائیگا کہ بیچ کی راس والے اور نیکی میں سبقت کرنے والے مسلمان قبروں سے اُٹھتے وقت میدانِ حشر اور جنت میں داخل ہونے کے بعد تینوں مواقع پر کہیں گے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ (الآیۃ) تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے ہمیشہ کے لیے رنج و غم دور کر دیا۔ لہٰذا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن اور فضائلِ ذکر کی روایت میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ یہ ہمارے محترم ناقد ہی کا ذہن ہے کہ اُن کو قرآن و حدیث میں ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شیخؒ نے حدیث نقل کرنے کے بعد اس کے مختلف طُرق کا ذکر کیا ہے اور ہر طریقہ پر محققانہ اور محدثانہ کلام بھی فرمایا ہے لیکن تابش صاحب نے اس پوری تحقیق سے صرف ایک جملہ حدیث کے منکر یا ضعیف ہونے کا لیکر قارئین کو شرمناک دھوکا دیا ہے۔

> آگے چل کر مؤلف ایک مطالعہ لکھتے ہیں حضرت شیخؒ ایک عظیم محدث و شیخ الحدیث کی حیثیت سے متعارف تھے انھیں یہ بات خوب معلوم تھی کہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانے کے مترادف ہے (ایک مطالعہ ص۴۱)

ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے متعدد طُرق بیان کئے ہیں۔ اصولِ حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ کوئی ضعیف حدیث متعدد طریقوں سے روایت کی جائے تو اسکا ضُعف ختم ہو جاتا ہے پھر حضرت شیخ نے اس کے طُرق بھی لکھے ہیں جن کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ لہٰذا آپ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنیکا الزام لگانا اور زبردہ آپ کو نعوذ باللہ جہنمی قرار دینا تابش مہدی کی بہت بڑی جسارت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ حدیث صحیح کے مطابق یہ حکم خود تابش مہدی پر لوٹ آئے۔

۲۵ پچیسواں دھوکا بعنوان "ایک سچّی بات"

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، یہاں ایک ضروری چیز یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جہاں دینداروں کا گنہگاروں کو قطعی جہنمی سمجھ لینا۔ مہلک ہے وہاں جہلاء کا ہر شخص کو مقتدار اور بڑا بنا لینا خواہ کتنے ہی کفریات بکے سمِ قاتل اور نہایت مہلک ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کرتا ہے بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں۔ دجّال مکار۔ کذّاب، پیدا ہوں گے۔ جو ایسی احادیث تم کو سنائیں گے جو تم نے نہ سُنی ہوں گی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈال دیں۔ (فضائلِ ذکر ص ۸۲)

ناقدِ محترم یہ عبارت نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

> لاریب شیخ الحدیث صاحب نے یہ ایک بہت سچی بات نقل فرمادی ہے اب تمام اہلِ علم دین پسند اور دردمندانِ اسلام سے گذارش ہے کہ وہ تبلیغی نصاب کو شعور کی بیداری اور اللہ

کے حضور جواب دہی کے تصور سے پڑھیں اور غور کریں کہ شیخ" کی منقولہ بالا روایت خود اُن پر صادق آتی ہے یا نہیں ؟ (ایک مطالعہ ص۴۶)

جناب تابش صاحب کو فضائل ذکر میں صرف ایک سچی بات نظر آئی، "یہ رسالہ ایکسو چھہتر ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اسمیں قرآن کی بہت سی آیتیں بھی ہیں۔ اور بہت زیادہ ارشاداتِ رسول بھی ۔" ایک سچی بات کا مطلب یہی ہے کہ تابش صاحب کے نزدیک وہ تمام آیتیں اور حدیثیں جو اس رسالہ میں نقل کی گئی ہیں۔ نعوذ باللہ جھوٹی ہیں۔ کیا اپنا یہ عنوان تابش صاحب نے شعور کی بیداری اور اللہ کے حضور جواب دہی کے تصور کے ساتھ باندھا ہے مؤلف ایک مطالعہ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت خود اُن پر چسپاں (فٹ) تو کردی لیکن یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کون کونسی کفریات بکیں ؟
دین میں کیا بدعتیں ایجاد کیں ؟ ــــ کتنی من گھڑت حدیثیں اپنی کتاب میں لکھیں ؟

ہمیں یقین ہے کہ اگر تبلیغی نصاب کی احادیث کو اصولِ حدیث کے معیار پر پرکھا جائے تو ایک حدیث بھی اسمیں موضوع یا من گھڑت نہ ملے گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے فاضل تنقید نگار نہ فنِ حدیث کی اصطلاحات سے واقف نظر آتے ہیں اور نہ اُن میں اصولِ حدیث کی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت معلوم ہوتی ہے لہٰذا انھوں نے یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ ہر ضعیف حدیث لازمی طور پر موضوع اور من گھڑت بھی ہوتی ہے ؛ حالانکہ یہ بات محدثین میں سے کسی نے بھی تسلیم نہیں کی ہے ۔

"تصوّف کی حقیقت"

[اپنی کتاب ... ایک مطالعہ کے صفحہ ۷۶ پر تابش مہدی نے لکھا ہے" شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے ہمنوا علماء فرمائیں کہ

کہ "مروجہ سلوک کیا سند رکھتا ہے" ؟

یہ سوال بڑے چیلنج کے ساتھ کیا گیا ہے۔ آیئے ہم خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اسکا جواب دیئے دیتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

تصوف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے۔ ......

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

کے .. وہ سچے مصداق تھے، یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں اگر ائمہ مجتہدین اور ائمۂ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے تو دوسری جانب تصوف کے ائمۂ جنیدؒ و شبلیؒ کے قدم بہ قدم اُن اکابر نے تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتلا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے اور جو رسوم و بدعات اس مبارک فن میں بُعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں، اُن کو چھانٹ دیا۔ تصوف کو بعض ناواقفوں نے ظاہر شریعت کا مخالف نہیں تو علیحدہ ضرور بنا دیا۔ یہ یا تو غلو ہے یا جہل۔

حقیقی تصوف کو جس کا دوسرا نام احسان ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکی حقیقت لوگوں کے سامنے دریافت کر کے بے واضح کر دیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے، اور جبرئیلؑ کے اس سوال پر کہ احسان کیا چیز ہے۔" سیّد الکونین کے اس پاک ارشاد نے "

اَنْ تعبد اللّٰہ کانّکَ تراہ (الخ) (الحدیث) تو اللہ کی عبادت ایسی کرے گویا اُس کو دیکھ رہا ہے۔

احسان کے معنیٰ اور تصوّف کی حقیقت واضح کردی، عنوانات تو اس کے جو بھی اختیار کرلیے جاویں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے

ادری بسعدی و الرباب وانّما
انت الّذی تعنی وانت المؤمل

شاعر کہتا ہے کہ چاہے میں مشہور محبُوبہ سعدی کا نام لوں یا معروف معشوقہ رُباب کا نام لوں، ہر چیز سے مقصود تو ہی ہے اور تو ہی مطلوب ہے۔

یہ تو حقیقت ہے، اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات و ریاضات یہ حضرات تجویز کرتے ہیں، وہ حقیقت میں سب علاج ہیں چونکہ سیّدالکونین صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراض ردّیہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور جیساکہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امرٰض کے لئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی نئی چیزیں اور دوائیاں تجویز کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ روحانی اطبار قلبی امراض کے لیئے ہر شخص کے حال کے موافق اور ہر زمانے کے موافق دوایئں تجویز کرتے ہیں۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامّت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے اَجل خلفاء میں ہے، اُن کا ایک رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" مختصر اور قابلِ دید ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف کی اصل حدیث جبرئیلؑ ہے۔ جسمیں آیا ہے کہ۔

"مَا الاحسان: قال ان تعبد اللہ کانّک تراہ" (الحدیث)

چنانچہ تصوّف احسان ہی کا نام ہے" (اکابر کا احسان و سلوک صـ۱۷ــ۱۸)

تصوّف کالُبّ لُباب

تصوف ایک عظیم الشان چیز تھی، جس کی تعریف علماءِ تصوف نے یہ فرمائی ہے کہ "ھُوَ عِلمٌ الخ" وہ

وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ اسمیں کونسی چیز غلط ہے؟ نفس کا تزکیہ غلط ہے یا اخلاق کا تصفیہ بُرا ہے، ظاہر و باطن کی تعمیر لغو ہے؟ یا سعادتِ ابدیہ کی تحصیل بیکار ہے؟ اُسی طرح تقویم اخلاق، تہذیب نفس، نیز نفس کو اعمالِ دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا ان امور میں کونسی شے مقاصدِ شرع کے خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں بلکہ اُن میں سے ہر ایک شے کتاب و سنّت کے عین مطابق اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے، غرض ہم جس تصوّف کے اثبات کے قائل ہیں۔ وہ وہی ہے، جس کو اصطلاح شرع میں احسان کہتے ہیں، یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے، یا تعمیر الظاہر و الباطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ ایک با نظم و با اصول چیز ہے، اسمیں مریدین کے لیے بھی شرائط ہیں اور شیخ کے لئے بھی اصول و آداب ہیں ان کی رعایت کو شریعت کا مغز اور دین کا لبِّ لُباب کہنا بجا ہے، اور جب اِن شرائط و آداب کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ غیرِ تصوّف کو، تصوف قرار دے دیا جائے تو پھر وہ طریق ہی نہیں جو ہمارا موضوع بحث ہے، اس لیے کہ اُن کی خرابیوں اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے سالک میں جو خرابیاں پیدا ہوں اسکا ذمہ دار کسی طرح حقیقی تصوّف اور اصل طریق کو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اب اگر آپ کو تصوّف سے محض اس بنا، پر چڑ اور انکار ہے کہ اسکا نام مُحدَث (ایجاد کردہ) ہے تو اسمیں تصوف ہی منفرد نہیں نہ معلوم کتنی چیزیں اسوقت موجود ہیں کہ آپ کا اُن سے تعلق بھی ہے، جو کہ ابتدا، اسلام میں ان ناموں سے معروف نہ تھیں، میں کہتا ہوں کہ اگر اسکا نام بدعت ہے، تو مسمّیٰ تو اسکا بدعت نہیں، آپ اس کو احسان سے تعبیر کرلیجئے علم الاخلاق اسکا نام رکھ لیجئے اور جو شخص اس سے متصف ہو اُس کو محسن اور مقرب اور

مخلص کہہ لیجئے اور احسان، محسن، متقی و مخلص کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، حدیث شریف میں بھی اسکا ذکر آیا ہوا ہے۔" (اکابر کا سلوک واحسان ص۲۲-۲۱)

تصوف کے بارے میں حضرت شیخ رح کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیں، ارشاد فرماتے ہیں۔" اِنّمَا الاعمال بالنّیات ' (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)" سارے تصوف کی ابتداء ہے اور اَن تعبداللہ کانّك تراہٗ (کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا اُسے دیکھ رہا ہے) سارے تصوف کا مُنتہیٰ ہے اسی کو نسبت کہتے ہیں اسی کو یاد داشت کہتے ہیں اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ سارے پاپڑ اسی کے لئے بیلے جاتے ہیں۔ ذِکر بالجھر بھی اسی کے واسطے ہے۔ مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کردے اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں ۔۔۔"

سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریا صاحب رح
مؤلف مولانا ابوالحسن علی ندوی
ص۲۵۶ تا ص۲۵۷

چھبیسواں ۲۶ دھوکا۔ بعنوان "ایک عجیب کرشمہ"

[حضرت شیخ الحدیث رح نے ایک نہایت متعصب و متشدد کافر بادشاہ کے اسلام قبول کرنیکا واقعہ لکھا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو بہت تکالیف اٹھانی پڑی تھیں۔ آخر ایک لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ وہ بادشاہ گرفتار رہوا، مسلمانوں نے جوش انتقام میں اسے ایک

دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ بادشاہ نے اوّل تو اپنے بتوں کو مدد کے لیے پکارا۔ لیکن جب اس سے کام نہ چلا تو دیگ ہی میں اسلام قبول کر کے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حکم سے زور کی بارش ہوئی آگ بجھ گئی۔ پھر زور کی آندھی دیگ کو وہاں سے بادشاہ سمیت اڑا کر کافروں کے شہر میں لے گئی۔ بادشاہ اب بھی مسلسل کلمۂ طیبہ پڑھتا جا رہا تھا۔ اس شہر کے کفّار دیگ کے گرد جمع ہوئے بادشاہ سے اس کی سرگذشت سنی اور کلمۂ طیبہ کی برکت کا مشاہدہ کر کے خود بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ (فضائلِ ذکر ص۹۰ مفہومِ واقعہ)

آج سے پانچ چھ سال قبل کا واقعہ ہے کہ ایک دن جماعت اسلامی کے ایک پرجوش مجاہد میرے پاس تشریف لائے۔ وہ ایک ہائی اسکول میں ٹیچر ہیں۔ اور ان کا مبلغ علم جماعتِ اسلامی کے اردو لٹریچر تک محدود ہے۔ آنجناب نے آتے ہی حضرت شیخ رح ان کی تبلیغی نصاب اور جماعت تبلیغ کے خلاف دل کا بخار نکالنا شروع کیا۔ فضائل ذکر ص۹۰ کے مذکورہ بالا قصّہ پر بھی بڑا سخت عتاب نازل ہوا جب ان کا جوش و خروش کچھ کم ہوا، اور وہ آپے کی حدود میں آ گئے تو میں نے عرض کیا کہ مشکل یہ ہے کہ آپ عالم نہیں ہیں اس لئے اصول دین سے واقفیت نہیں رکھتے ورنہ اصول دین کا علم رکھنے والوں کے نزدیک اس قصّہ میں دین کے خلاف کوئی بات نظر نہیں آتی۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اسلام لانے سے زمانۂ کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک کافر بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ اس کے گناہ سب کے سب معاف ہو گئے۔ ابھی اس کے نامۂ اعمال میں ایک بھی گناہ نہیں۔

اس حالت میں اس نے کلمۂ طیبہ کا وِرد شروع کیا اور اللہ تعالیٰ سے موجودہ

مصیبت پر مدد چاہی اور اللہ کی مدد آگئی تو اس میں اسلام کے خلاف کونسی بات ہے کلمہ طیبہ میں برکات کا ہونا، یا اللہ تعالیٰ کا مصیبت کے وقت بندوں کی دستگیری کرنا یہ سب چیزیں اسلام کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا بلا وجہ محض عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر اس واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

پھر اس قسم کے واقعات و قصص کی حیثیت قرآن و حدیث جیسی نہیں ہوتی۔ اور نہ ان سے دین کی کوئی بات ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ اس نوع کے قصے صرف تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کو عبرت و نصیحت کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ سے محبت رکھنا اور ان مقدس حضرات کی مذمت سے اپنی زبان کو روکنا اسلامی عقائد میں داخل ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب مرحوم نے اس پاکیزہ گروہ کی گھناؤنی تصویر کشی کرتے ہوئے تاریخی روایات کا سہارا لیا۔ اس وقت معلوم نہیں تابش صاحب اور ان کے ہمنوا کہاں محوِ خواب تھے؟ اور انکا دینی جذبہ کیوں بیدار نہیں ہوا۔؟ بلکہ جب خلافت و ملوکیت کے زہریلے نشتروں پر جو حضرات صحابۂ کرامؓ کی مقدس ذاتوں کو مجروح کر رہے تھے متعدد اہلِ علم کی طرف سے تنقیدیں کی گئیں تو مناقب صحابہ میں آئی ہوئی تمام صحیح روایتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے، تابش صاحب جیسا علم و ذہن رکھنے والے حضرات سامنے آئے اور خلافت و ملوکیت کی تاریخی خرافات کو ثابت کرنے میں خوب زورِ قلم دکھایا۔ اگر اسی کا نام علم و دیانت اور اقامتِ دین ہے تو ہم ایسے علم و دیانت اور دین کی اقامت سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب احادیث میں ایک صحیح حدیث روایت کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ایک بندے کے ننانوے دفتر بداعمالیوں کے کھولے جائیں گے۔ جو اس بندہ کی حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے ہوں گے پھر اس بندہ سے ان بداعمالیوں کا اقرار لیا جائیگا اور وہ اقرار

کرے گا۔ اِن بداعمالیوں پراس سے عذرطلب کیا جائے گا تو وہ عذربھی نہ پیش کرسکے گا۔ پھر ایک چھوٹا سا پرزہ نکال کر تُلوایا جائیگا۔ جس پر کلمۂ شہادت لکھا ہو گا۔ تو یہ چھوٹا سا، پرزہ بداعمالیوں کے ان ننانوے بڑے دفتروں سے زیادہ وزنی ہو جائیگا۔

قارئین سے گذارش ہے کہ بار بار مذکورۂ بالاوا قعہ کو پڑھیں۔ جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اسمیں کلمۂ طیبّہ کی اتنی زیادہ قوت بتائی گئی ہے کہ وہ گناہوں کے ننانوے دفتروں پربھی غالب آگیا، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اس کلمہ کا وزن ہے جو کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہونے کے وقت پڑھا گیا تھا ..... توجبکہ کلمۂ طیبہ بداعمالیوں کے ننانوے بڑے دفتروں پربھی غالب آسکتا ہے تو اس کی قوت و برکت سے اس بادشاہ کو خرقِ عادت کے طور پر دنیوی عذاب سے نجات مِل جانا کیا بعید ہے۔

تابش صاحب نے حضرت شیخ رح کے نقل کردہ اس تاریخی قصّہ پر چند مفروضے قائم کئے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے ... ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) اہلِ نظر قارئین غور کریں اور بتائیں کہ

ا۔ " منقولہ حکایت عوام الناس کے اندر کس درجہ بے عملی کو فروغ دینے میں ممدو معاون ثابت ہوگی۔ (ایک مطالعہ صہ ۸۷)

ہمارا تو خیال یہ ہے کہ یہ حکایت اسلام کی اہمیت ظاہر کرکے نیک اعمال پرقاری کو برانگیختہ کرنے میں ممدو معاون ہوگی۔ بے عملی کو فروغ دینے والی اس میں کونسی بات ہے؟ اس کا سُراغ ہم باوجود کوشش کے نہیں لگا سکے۔ ممکن ہے عمل اور بے عملی کی تعبیروں میں ہمارے اور تابش صاحب کے درمیان اختلاف ہو۔ ہم نماز و روزہ حج و زکوٰۃ اوراد و اذکار، نوافل وشب بیداریوں کو نیک عملی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح موقع درپیش آنے پر

جہاد بھی ہمارے نزدیک صرف ایک عمل ہی نہیں۔ بلکہ وقتی ضرورت کی وجہ سے عارضی طور پر تمام نیک اعمال سے بڑی نیکی ہے۔ عین ممکن ہے کہ تابش صاحب کے نزدیک یہ تمام چیزیں نیک اعمال کے بجائے "بے عملی" کے زمرے میں آتی ہوں اور ان کے نزدیک بس موقع وبے موقع جہاد کے صرف نعرے لگا لینا ہی نیکی ہو۔ لیکن ہم نے اور دیگر تمام مسلمانوں نے تابش صاحب کے اس خود ساختہ اسلام کو نہیں بلکہ قرآن و حدیث والے اسلام کو قبول کیا ہے جس میں جہاد کو ایک ضمنی اور وقتی ضرورت کے اعتبار سے اور نماز و روزہ وغیرہ اعمال کو اصلی اور دائمی اعتبار سے نیکی کہا گیا ہے۔

(٢) محترم تابش صاحب دوسرا مفروضہ قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کیا تمام دعوتی کاموں کو بالائے طاق رکھ کر بس بے سوچے سمجھے کلمے کی رٹ شروع کر دی جائے کہ اس کے نتیجہ میں پورا عالم نورِ ایمان سے جگمگا اٹھے گا۔ ایک مطالعہ ص٧٨

اس جملے کے طنز و تمسخر سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ یا ان کے ہم خیال کسی بھی دیوبندی عالم، بلکہ ایک عامی آدمی نے بھی یہ نہیں کہا کہ دعوتی کاموں کو بالائے طاق رکھ کر کلمہ کے وِرد کو ہی اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا جائے۔ اگر ہمارا یہ مسلک ہوتا تو تبلیغی جماعت وجود ہی میں نہ آتی۔ اس جماعت کا وجود میں آنا خود بتا رہا ہے کہ ہم دعوتی سرگرمیوں کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہیں لیکن، ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ معمولی نہیں بلکہ بڑا اہم کام ہے اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں۔ سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ داعی خود اپنی اصلاح کا فکر کرے تاکہ اس کی دعوت با اثر ہوسکے اور وہ قرآن کی اس وعید کی زد میں نہ آئے۔

" اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ " (البقرة ٤٤)

تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کو کہتے ہو۔ مگر، اپنے آپکو بھول جاتے ہو ! حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے ؟

(ترجمہ مولانا مودودی مرحوم)

جتنے بھی انبیا، گذرے ہیں، سب ہی نے دعوت کا کام شروع کرنے سے پہلے مجاہدات کئے ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت سے پہلے غار حرا میں مسلسل کئی کئی دن تک خلوت نشینی فرمانا اور مجاہدات میں مشغول ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ علما ربانیین میں سے بھی ہر ایک نے اول خلوت نشینی اختیار کر کے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دی اور پھر دعوت کا کام شروع فرمایا۔ الحمد للہ آج بھی یہ طریقہ کسی نہ کسی درجہ میں جاری ہے خود مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔ اسی وجہ سے ان کی تبلیغی تحریک بین الاقوامی طور پر چل پڑی۔ کاش مولانا مودودی مرحوم بھی نبیوں والا یہی طریقہ اختیار فرماتے، تو ان کی تحریک میں وہ جھول نہ پایا جاتا جو آج امت کے ہر مکتبۂ فکر کے علماء کو نظر آرہا ہے۔

تیسرا مفروضہ تابش صاحب نے یہ پیش فرمایا کہ

۳ "حضرت شیخ رح نے قصہ گوئی کے جوش میں آکر مسلمانوں کو منتقم المزاج بھی قرار دیدیا۔" (ایک مطالعہ ص۷۸)

یہ لکھنے کے بعد ناقد محترم نے یہ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا کہ مومن منتقم المزاج نہیں ہوتا۔ اس کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے بطور نظیر کے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ کا وہ مشہور واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب آپ دشمن پر قابو پاچکے اور اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا تو آپ نے اس کو فوراً چھوڑ دیا۔

ہم تابش صاحب کی بات کی تردید نہیں کریں گے یہ بات تسلیم کرلیتے ہیں کہ بیشک مومن کی شان انتقام نہ لینا ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم بہت سے مسلمانوں کو انتقام لیتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ عوام کا حال تو تقریباً یہی ہے کہ ان میں انتقام کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جن مسلمانوں کا ذکر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کے مسلمان ہوں ..... انتقام نہ لینا ایک اچھی صفت ضرور ہے لیکن فرض و واجب نہیں۔ بلکہ قرآن تو انتقام کو مباح قرار دیتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (الایۃ) (البقرۃ ۱۹٤) لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے، تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو (ترجمہ مودودی) ایک گال پر طمانچہ کھانے کے بعد انتقام لینے کے بجائے دوسرا گال بھی پیش کردینا عیسوی مذہب کی تعلیم تو ہوسکتی ہے لیکن اسلام، جو دینِ فطرت ہے اس قسم کی چیزوں کو لازمی نہیں قرار دے سکتا جو انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہوں۔

محترم تابش صاحب کے فہم سے یہ بات بہت بالاتر ہے کہ" **ذکر و اذکار** اوراد و وظائف کے ساتھ ہی دعوت کا کام کرنا بھی ممکن ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام نے دن کو دعوت کے کاموں کے لیے مخصوص کردیا تھا تو رات کو نوافل اذکار و اوراد کیا کرتے تھے۔ سید احمد شہیدؒ، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ اکابر علماء کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ اور تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار بھی یہی ہے۔ یہ لوگ تعلیم، گشت، مذاکرات وغیرہ دعوتی کاموں میں دن گذارتے ہیں اور رات کے وقت تہجد و اذکار میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ بہرحال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک یہی طریقہ دعوت چلا آرہا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تابش صاحب کے لیے ناقابلِ فہم ہے اس لئے فضائل ذکر ص۹۱ کا یہ جملہ لکھا کہ '

" کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ مبارک ہستیاں جنھوں نے اس پاک کلمہ کی برکات کو سمجھا ' اور اس کے ورد میں عمریں ختم کر دیں۔ "

پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "

جب ہر شخص خوش نصیب اور مبارک ہستی بننے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے پوری عمر کلمے کے ورد میں گذارنے لگے گا۔ تو شیطانِ مردود کو اس طرح اپنا تسلط جمانے کا بھرپور موقع فراہم ہوجائیگا۔ اللہ کی سرزمین پر کافر اور ملحد حکومت کریں گے۔ اللہ کا دین ایک ناقابلِ عمل دین کی حیثیت سے ہچکیاں لینے لگے گا اور شرک و بت پرستی کا چلن خوب عام ہو سکے گا۔ (ایک مطالعہ ص۷۹)

یہاں صرف ایک بات پوچھنے کو جی چاہتا ہے، جناب تابش صاحب اور جماعت اسلامی خانقاہی تصوف کی منکر ہے۔ اس لیے کلمہ کے ورد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ لوگ تقریباً چالیس برس سے اقامتِ دین کی جدوجہد ' اور حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس طویل عرصہ کی کوشش کے باوجود بھی، شیطان کا تسلط ' اللہ کی سرزمین پر کافروں اور ملحدوں کی حکومتیں اور شرک و بت پرستی کا چلن کیوں عام ہے — ان تمام چیزوں کا موجود ہونا ہی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ جماعتِ اسلامی کی جدوجہد میں ضرور کچھ خامیاں ہیں ہمارے خیال میں بنیادی خامی اپنی اصلاح کئے بغیر دعوت کے بلند ترین کام میں لگ جانا ہے۔

ہم اب تک یہی سنتے آئے تھے اور تابش صاحب نے بھی "ایک مطالعہ" میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے کہ قرآن وحدیث ہی کسی بات کی دلیل بن سکتے ہیں..... لیکن جب خانقاہی تصوف کو غیر شرعی چیز ثابت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا گیا تو پھر اپنا یہ اصول کیسے یاد رہ سکتا تھا، چاہے کسی شاعر کے شعر ہی سے ہو۔ ہر حال میں تصوف کی مذمت کرنا ہی ہے چنانچہ تابش صاحب کو قرآن وحدیث قسم کی کوئی چیز خانقاہی تصوف کے رد میں نہ ملی تو اقبال کا یہ شعر دلیل میں پیش فرمادیا۔

شعر۔ مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اِسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اِسے

دوسروں کی کوئی بات قرآن وحدیث کے بغیر قابلِ قبول نہ ہو۔ لیکن اپنی بات منوانے کے لئے شعر بھی دلیل کا کام کر رہا ہے؟ نہایت تعجب خیز بات ہے۔

ستائیسواں دھوکا بعنوان قرآن حکیم سے تعارض

" فضائل ذکر ص ۹۶ ، ۹۵ پر حضرت آدم علیہ السلام کے تعلق سے ایک روایت لکھی گئی ہے جسمیں مذکور ہے کہ جب آپ سے وہ گناہ ہو گیا جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے تو ہر وقت روتے رہتے اور دعاء واستغفار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مغفرت چاہی۔ الخ "

محترم تابش صاحب کو اس روایت سے اس وجہ سے انکار ہے کہ اسمیں ، وسیلے سے دعا کرنے کا ذکر ہے اور وسیلہ تابش صاحب کے نزدیک درست نہیں ہے ۔ لیکن روایتیں تابش صاحب کے مسلک کی پابند نہیں ہیں ۔ بلکہ خود تابش صاحب اور تمام مسلمان روایتوں کے پابند ہیں ۔

دُعا میں آپؐ کا توسُّل حاصل کرنا

توسل کا مسئلہ تابش صاحب نے بار بار مختلف انداز میں چھیڑا ہے ہم گذشتہ صفحات میں اس کا جواز ثابت کر چکے ہیں لیکن قارئین کے اطمینان کے لیے دوبارہ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔

اس وقت ہمارے سامنے دینی بکڈپو ' اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ کی شائع کردہ حضرت تھانویؒ کی " نشر الطیب " خورد کا چوتھا ایڈیشن ہے ۔ اسکے صفحہ نمبر ۱۸۶ تا ۱۸۹ فصل ۲۷ پر وسیلے کی بحث بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھی ہے ہم بعینہٖ اسی کو یہاں نقل کئے دیتے ہیں ۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کتاب کی ستائیسویں فصل کا عنوان دیا ہے ۔ " دعا میں آپؐ کا توسل حاصل کرنا ۔ " کچھ تمہیدی بحث کرنے کے بعد توسل کے ثبوت میں چند روایات لکھتے ہیں ۔

پہلی روایت سنن ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ کہ ایک شخص نابینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے ۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کردوں ۔ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کردیجئے ۔

آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے۔ "اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ رحمت کے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں، تاکہ وہ پوری ہوجائے اے اللہ! آپؐ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔ (نشر الطیب ص۱۸۷-۱۸۶ بحوالہ نسائی و ترمذی شریف)

(اس روایت پر) بیہقی نے اور اتنا زیادہ کیا ہے کہ وہ (نابینا) کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوگیا۔

دوسری روایت ۔ انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکور کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان ابن حنیفؓ سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ابن عفانؓ سے پاس کسی کام کو جایا کرتا اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اس نے عثمان بن حنیف سے کہا۔ انھوں نے فرمایا تو وضو کر کے مسجد میں جا اور وہی دعاء اوپر والی سکھلا کر کہا کہ یہ پڑھ۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ اور حضرت عثمانؓ کے پاس جو پھر گیا تو انھوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کردیا۔ اس روایت سے توسل بعد الوفاتؐ کے بھی ثابت ہوا۔ (ایضاً ص۱۸۷)

تیسری روایت حضرت انسؓ کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب لوگوں پر قحط پڑتا حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ کے واسطہ سے دعا بارش کی کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ ہم پہلے آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے آپ ہم کو بارش دیتے تھے۔ اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا حضرت عباسؓ) کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجئے چنانچہ بارش ہوتی تھی۔ (ایضاً بحوالہ بخاری، مشکوٰۃ)

روایت نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جبکہ اس کو نبیؐ سے کوئی تعلق ہو۔ قرابتِ حسیہ کا یا قرابتِ معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی اور اہلِ فہم نے کہا ہے کہ اس پر تنبیہہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا نہ اس لیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ جبکہ دوسری روایت سے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی اسکا جواز ثابت ہے اور چونکہ اس توسل پر کسی صحابہ سے نکیر منقول نہیں اس لیے اس میں اجماع کے معنی آگئے۔ (ایضاً ص۱۸۸)

چوتھی روایت ابوالجوزا سے ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک منفذ (سوراخ) کردو۔ یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔

اوپر کی (روایات) سے توسل بالقول ثابت ہوا تھا۔ اس (روایت) سے توسل بالفعل بھی ثابت ہوا۔ اس کے معنی بھی بزبانِ حال یہ تھے کہ یہ آپ کے نبی کی قبر ہے جس کو ہم تلبس جسدِ نبوی کی وجہ سے متبرک سمجھتے ہیں اور نبی کے ملابس چیز کو متبرک سمجھنا یہ بوجہ اسکیے کہ [illegible] ے ب، متعاد عظمت نبی کی، عمل مرضی اور موجب رحمت ہے بس ہم پر رحم فرمایئے (ایضاً)

پانچویں روایت مواہب میں بسندِ امام ابوالمنصور صباغؒ اور ابن النجارؒ اور ابن عساکرؒ اور ابن الجوزیؒ محمد بن حرب ہلال سے ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کرکے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کرکے عرض کیا کہ خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر

ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ (ترجمہ:) اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اسوقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کیلئے اللہ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔

(ترجمہ۔ تھانوی)

اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا۔ اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ پھر دو شعر پڑھے۔ الخ اور ان محمد بن حرب (جو حدیث کے راوی ہیں) کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی اھ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، بس حجت ہو گیا۔ (یہ واقعہ وسیلہ کے جواز پر) ایضاً ص ۱۸۹

بہر حال دعا میں وسیلہ اختیار کرنے کے جواز پر متعدد دلائل موجود ہیں جن میں بعض گذشتہ سطور میں بیان کئے جا چکے۔ یہ روایات۔ ابنِ ماجہ۔ نسائی، ترمذی۔ بیہقی، طبرانی۔ بخاری، مشکوٰۃ، دارمی، جیسی معتبر کتبِ احادیث میں آئی ہیں۔ اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ اِن تمام بڑے بڑے محدثین کی نقل کردہ روایات سے چشم پوشی کرتے ہوئے دعا میں وسیلے کے ناجائز ہونے کا حکم لگا دینا معقول بات ہے۔ یا اِن ائمۂ حدیث کی روایات کے مقابلہ میں اپنی عقل کو معیار نہ بناتے ہوئے انھیں قبول کر لینا اور دعا میں وسیلہ کو جائز قرار دینا معقولیت سے قریب ہے۔

وسیلے کی بحث کو ہم نے اس لیے طول دیا تاکہ ہمارے ناظرین، تابش صاحب کی مغالطہ انگیزی سے پوری طرح واقف ہو جائیں کہ وہ دین کے بارے میں اتنے آزاد ہیں کہ احادیث صحیحہ کے خلاف بھی مسلک اختیار کر سکتے ہیں۔

اَب ہم فضائل ذکر ص۹۶-۹۵ پر مندرج حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کا شمار علماءِ محققین میں ہوتا ہے آپ نے متعدد علمی و تحقیقی کتب لکھی ہیں۔ جمع الفوائد اخلاق و آداب اور فضائل و مناقب کے موضوع پر لکھی ہوئی ایک قدیم عربی کتاب ہے جس میں مؤلف نے چودہ کتب حدیث سے روایات کا انتخاب کیا ہے۔ حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ نے اصل متن لکھ کر اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کرکے مختصر تشریح فرمائی اور اس کا نام "درر فرائد" رکھا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے۔

ہم اس کا متن اور ترجمہ لکھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اذنب آدم الذنب الذی اذنب رفع رأسہ الی العرش فقال اسئلک بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا رفعتنی فاوحی اللہ الیہ وما محمد؟ قال تبارک اسمک لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشک فرأیت فیہ مکتوبًا لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فعلمت انہ لیس احد اعظم عندک قدرا ممن جعلت اسمہ مع اسمک فاوحی اللہ الیہ یا آدم انہ آخر النبیین من ذریتک وان امتہ آخر الامم من ذریتک ولولاہ ما خلقتک۔ (رواہ اوسط و الصغیر)

حضرت عمر ابن الخطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوا تو انھوں نے سر عرش کی طرف اٹھایا اور عرض کیا کہ بارالٰہا! میں التجا کرتا ہوں کہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (عتاب کی پستی سے) اٹھا لیجئے۔ پس حق تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ عرض کیا... اے مبارک نام والے جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے آپکے عرش کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا تھا کہ اسمیں لکھا ہوا ہے لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پس میں نے جان لیا کہ آپکے نزدیک اس سے زیادہ قدر و منزلت والا کوئی نہیں جس کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے پس حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ہاں اے آدم وہ تمہاری اولاد میں آخری نبی ہے اور اس کی اُمت تمہاری نسل میں آخری امت ہوگی اور اگر وہ نہ ہوتا تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (دررفرائد ص۱۸۲-۱۸۱ بحوالہ اوسط و صغیر)

اِس روایت پر تابش مہدی کی تنقید مع جواب

حضرت آدمؑ کے اس واقعہ سے وسیلہ کا جواز اس وقت ثابت ہوتا جب منقولہ روایت کی تائید آیت قرآنی سے بھی ہو جاتی اس لیے کہ جو بات قرآن حکیم میں، صریحی طور پر موجود ہو۔ اس کے لیے کسی دوسری سند کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی (ایک مطالعہ ۸۰) پھر سورۂ اعراف کی آیت رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ نقل کر کے، آدم علیہ السلام کی دعاء کا قرآن میں صراحت کے ساتھ بلا توسل کے مذکور ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد چند آیات سے استدلال کرتے ہوئے دعا میں توسل کے عدم جواز پر طویل بحث کی ہے اور تمام انبیاء کے بلا توسّل دعا کرنے کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے۔ (ایک مطالعہ ص۸۱) لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ بس دعوے ہی دعوے ہیں۔ دلیل نام کی کوئی چیز نہیں۔

جواب معلوم نہیں تابش صاحب نے یہ نرالا قاعدۂ کلیہ کہاں سے گھڑ لیا کہ قرآن کے حکم صریحی کے مقابلہ میں کسی دوسری سند کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ حرمت علیکم المیتۃ تم پر حرام قرار دیا گیا ہے مُردار۔ ترجمۂ مودودی) (مائدہ ۳) قرآن کا حکم صریحی ہے لیکن قرآن کے علاوہ دوسری سند یعنی حدیث کی وجہ سے مُردار مچھلی اور مُردار ٹڈّی کو جائز وحلال قرار دیا گیا ہے قرآن میں پاک دامن مرد کے لئے زانیہ سے نکاح کے حرام ہونے کا حکم صریحی موجود ہے وَحُرِّمَ ذَالِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور یہ حرام کر دیا گیا ہے۔ اہل ایمان پر (النُّور ۳ ترجمۂ مودودی) لیکن غیر قرآنی سندوں کی وجہ سے زانیہ سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ تابش صاحب کا یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ قرآن کے حکم صریحی کی موجودگی میں دوسری سندوں کی کیا ضرورت ؟ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ قرآن حدیث

میں تعارض ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ احادیث تو قرآنی آیات کے اجمال کو واضح کرنے والی ہوتی ہیں۔

ناقدِ محترم کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ آدم علیہ السلام کی دعائے توبہ قرآن میں صریحی طور پر موجود ہے۔ بیشک سورۂ اعراف میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کا ذکر ہے لیکن یہ صراحت کہیں بھی نہیں ہے کہ صرف ان ہی الفاظ میں توبہ کی گئی تھی اور دوسری کوئی دعا نہیں کی تھی۔

سورۂ بقرۃ آیت ۳۷ میں ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ....

(اس وقت آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی۔ جس کو اس کے رَب نے قبول کرلیا۔ (ترجمۂ مودودی)۔ اس سے مبہم طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے چند کلمات آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ "کلمٰت" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ — وہ کلمات جو آدم علیہ السلام کو بغرض توبہ بتلائے گئے کیا تھے، اسمیں مفسرین صحابہؓ سے کئی روایات منقول ہیں۔ مشہور قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ وہ کلمات وہی ہیں جو قرآن مجید میں دوسری جگہ منقول ہیں۔ یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا (الآیۃ) معارف القرآن جلد اول صفحہ ۱۹۹)

مولانا عبدالحق دہلویؒ نے "کلمات" کی تفسیر میں اول یہی دعاء رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ (الآیۃ) تحریر فرما کر لکھا ہے۔ بعض احادیث میں کچھ اور کلمات اور آدمؑ کی گریہ و زاری کے دیگر حالات بھی مرقوم ہیں .... (تفسیر حقانی)

اب حدیث کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ "اِنَّ المؤمن یری ذنبہ کانہ قاعد تحت جبل یخاف ان یقع علیہ (الحدیث مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶) ..... یقیناً مومن اپنے گناہوں کو ایسا عظیم سمجھتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس پہاڑ کے اس پر گرنے کا ڈر ہو .... یہ ایک عام بندۂ مومن کی کیفیت بیان کی گئی ہے انبیاء کا مرتبہ تو بہت بلند ہوتا ہے۔ خطاء سرزد ہونے پر ان کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی؟ ہم اس کا

تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ہماری طرح ٹیپ ریکارڈ نہیں ہوتے کہ بلا سوچے سمجھے لگے بندھے الفاظ کے ذریعہ توبہ کرتے رہیں۔ تو جبکہ قرآن حکیم میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے صرف رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیۃ کے ذریعہ توبہ کرنے پر اکتفاء کی تھی۔ بلکہ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ الآیۃ سے اشارۃً یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آپ کو توبہ کے چند مختلف کلمات سکھائے گئے تھے۔ اور احادیث میں بھی مختلف کلمات کے ذریعہ توبہ کا ذکر آیا ہے تو ان احادیث کو قبول کر لینے میں کچھ بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ قرآنی آیت کے صریح ہونے کا دعویٰ اس وقت درست ہوتا جب ایک ہی دعا کے ذریعہ توبہ کرنے پر انحصار کر دیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ سے بدظنی کا مُعمّہ اور اس کا حل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے والی روایت پر تنقید کرتے ہوئے تابش مہدی فرماتے ہیں۔ اِن الفاظ میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیۃ سے جہاں حضرت آدمؑ کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھر پور بھروسہ اور اس کی صفتِ رأفت ورحمت پر غیر معمولی یقین کا پتہ چلتا ہے وہیں منقولہ روایت سے اللہ تعالیٰ کے متعلق نعوذ باللہ بدظنی اور مذکورہ صفات پر یقین کی نفی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

(ایک مطالعہ ص ۸۱)

اگر وسیلے سے کی جانے والی دعاؤں میں حقیقتاً وہی خرابی ہے جو مصنف ایک مطالعہ نے مذکورہ بالا سطور میں ارشاد فرمائی ہے تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو وسیلے سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی جیسا کہ توسل کی بحث میں نقل کردہ عثمان بن حنیف کی پہلی روایت سے معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری روایت سے حضرت عثمان

بن حنیف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی دعا کا تلقین کرنا معلوم ہوتا ہے تیسری روایت بتا رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کبھی حضرت عباسؓ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے تھے۔ چوتھی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر سے عملی توسّل کا ذکر ہے اور پانچویں روایت خبر دے رہی کہ حضور کی وفات کے بعد ایک اعرابی صاحب نے آپ کے وسیلے سے مغفرت کی دعا فرمائی۔ تو کیا ہمارے فاضل تنقید نگار ان تمام حضرات کو بشمول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت رَأفت و رحمت سے نفی کرنے والوں کے زمرے میں داخل فرمائیں گے؟ نعوذ باللہ منہ! اسی طرح ان صحیح احادیث کا بھی انکار فرمادیں گے جو شفاعت کے سلسلے میں آئی ہیں۔ کیونکہ احادیثِ شفاعت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کا وسیلہ لوگ چاہیں گے اور حضورؐ کے علاوہ ہر نبی دوسرے نبی کو وسیلہ بنانے کی تلقین کرے گا۔ آخر ان تمام نبیوں کو اس دن کیا ہو جائے گا کہ وہ خدا سے بدظنی پیدا کرنے والے فعل سے لوگوں کو منع کرنا تو درکنار، اس کی ترغیب دیں گے۔ حتیٰ کہ خود حضورؐ کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئیگی کہ ان لوگوں کو براہ راست خدا سے دعا کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ بقول تابش مہدی قرآنی آیات سے براہ راست دعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے قارئین غور کریں کہ تابش مہدی کے غلط مفروضہ کو تسلیم کر لیا جائے تو بات کہاں تک پہنچتی ہے؟ صحابۂ کرام بلکہ تمام انبیاء تک اس کی زد میں آجاتے ہیں۔

ایک اور شوشہ

تابش صاحب نے گویا قسم کھا کر قلم و کاغذ ہاتھ میں لیا تھا کہ احادیثِ رسول کو اور حضرت شیخؒ کی ذات کو مجروح کرنے کے لیے جو طریقہ بھی بن پڑے گا، اسے ضرور اختیار کریں گے چنانچہ زیرِ بحث روایت پر

جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں [ایک دوسری غلط فہمی جو اس روایت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے اس سوال پر کہ " محمدؐ کون ہیں " حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ " جب آپ نے مجھ کو پیدا کیا تھا تو اسی وقت میں نے عرش پر" لآالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا دیکھا تھا میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ محمدؐ وہ ہیں جن سے اونچی کوئی ہستی نہیں ۔ الی آخرہ صـ۸۲-۸۱] یہ عبارت نقل کر کے اس پر اشکال کیا گیا ہے کہ [حضرت آدمؑ کا پیدا ہوتے ہی عرش پر لکھے ہوئے کلمے کا پڑھنا اور اس سے محمد رسول اللہ کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنا سب سے زیادہ قابل گرفت بات ہے ۔ (ایضاً) آگے اپنی اس گرفت پر وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۳۱) اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے (ترجمہ شیخ الہند) سے استدلال کیا ہے ۔ طریقۂ استدلال یہ ہے کہ ابھی آپ کو چیزوں کے نام سکھائے نہیں گئے تو کلمۂ طیبہ کو پڑھنا اور حضورؐ کے مرتبہ کو جان لینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے]

ہمارا خیال تھا کہ کسی کی تحریر کو توڑ مروڑ کر اس کا غلط مفہوم پیش کرنا رضا خانیوں کا ہی حصہ ہے ۔ لیکن تابش مہدی کی" ایک مطالعہ" پڑھ کر معلوم ہوا کہ جماعتِ اسلامی میں بھی ایسے فنکار موجود ہیں ۔ ہم پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ رحؒ نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ پیدا ہوتے ہی آدم علیہ السلام نے عرش پر لکھا ہوا کلمہ پڑھ لیا اور حضورؐ کے مرتبے کو جان لیا ۔ فضائلِ ذکر ہر مسجد میں آسانی سے دستیاب ہو جانے والی کتاب ہے جس کا جی چاہے ۔ اس کا صـ۹۶-۹۵ نکال کر پوری روایت دیکھ لے ۔ متن کے الفاظ مع ترجمہ یہاں دوبارہ لکھے جاتے ہیں ۔

فاوحی اللہ الیہ من محمد ؟ فقال تبارك اسمك لما خلقتنی رفعت رأسی الی عرشك فاذا فیہ مکتوب لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ

(ترجمہ: وحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں (جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی؟) عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

مذکورہ جملے سے یہ کسی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی عرش پر کلمہ لکھا ہوا دیکھا یا پڑھ لیا۔ بلکہ صرف یہ معلوم ہو رہا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد انھوں نے کلمہ دیکھا اور پڑھا۔ پیدائش کے کتنے عرصہ بعد دیکھا اس سے روایت ساکت ہے قرآن کی آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا، (اور سکھائیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے) سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیدائش کے بعد آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے تھے تو اس سے روایتِ بالا کی تکذیب ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ نام سکھائے جانے کے بعد کلمہ لکھا ہوا دیکھنا پڑھنا ممکن ہے۔ لیکن تابش صاحب کو اسی پر اصرار ہے کہ روایت آیت قرآنی سے متصادم ہے اس لیے انھوں نے حضرت شیخؒ کی نقل کردہ روایت کے ترجمہ میں چند تاکیدی الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ص۸۲ پر فرماتے ہیں۔ [آپ نے جب مجھ کو پیدا کیا تھا تو اسی وقت میں نے عرش پر] حالانکہ حضرت شیخ کے ترجمہ میں "اسی وقت" کے الفاظ نہیں ہیں ــــ اسی صفحہ کی چوتھی سطر میں تابش صاحب نے لکھا ہے [اس میں حضرت آدمؑ کا پیدا ہوتے ہی عرش پر لکھے ہوئے کلمہ کا پڑھنا] پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھنے کا ذکر حضرت شیخ کی عبارت میں نہیں ہے۔

یہ تمام خیانتیں بتا رہی ہیں کہ تابش مہدی حضرت شیخؒ اور انکی کتب فضائل کی مقبولیت کو برداشت نہیں کر سکے اور محض اپنے جذبۂ حسد کی تسکین کی خاطر تنقید کرنے بیٹھ گئے۔ ظاہر بات ہے کہ حسد اچھے اچھوں کے ہوش باختہ کر دیتا ہے۔

اٹھائیسواں دھوکا۔ بعنوان "اسمِ اعظم کا معمہ" ۲۸

اول ہم اسم اعظم کے تعلق سے چند صحیح حدیثیں لکھتے ہیں۔ تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی معمہ یا افسانہ قسم کی فرضی یا طلسماتی نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ چیز ہے۔

پہلی حدیث عن ابی بریدۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول اللّٰھم انی اسئلک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد۔ فقال دعا اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا سئل بہ اعطی واذا دعی بہ اجاب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۹۹ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا۔ وہ اللہ کے حضور میں عرض کر رہا تھا۔ اے اللہ میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ بس تو اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک اور یکتا ہے بالکل بے نیاز ہے اور سب تیرے محتاج ہیں نہ کوئی تیری اولاد اور نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب اس بندے کو یہ دعا کرتے سنا) تو فرمایا کہ اس بندے نے اللہ سے اس کے "اسم اعظم" کے وسیلے سے دعا کی ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے مانگا جائے تو وہ دیتا ہے اور جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے۔

دوسری حدیث عن اسماء بنت یزید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اسم اللہ الاعظم فی ھاتین الایتین، والٰھکم الٰہ واحد لا الہ الا

ھُوالرّحمٰن الرّحیم و فاتحۃ، آلِ عمران۔ الٓـمّٓ ۳ اللہ لآ الٰہ اِلّا ھُوالحیّ القیّوم
(مشکوٰۃ شریف ص۲۰۰ بحوالہ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ اسمار بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

۱- وَاِلٰھُکم الٰہ واحد لآ الٰہ اِلّا ھو الرّحمٰن الرّحیم

۲- اور شروع سورہ آل عمران کی یہ آیت، الٓمّٓ اللہ لآ الٰہ اِلّا ھُوَ الحیُّ القیُّوم۔

(ترجمہ درر فرائد ص۴۹۱ مولف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اسم اعظم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمار حسنیٰ میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت و امتیاز حاصل ہے کہ جب ان کے ذریعہ دعاء کی جائے تو قبولیت کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے۔ ان اسمار کو حدیث میں اسم اعظم، کہا گیا ہے۔ لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن قبولیت دعا کے خاص وقت کو مبہم رکھا گیا ہے۔ (معارف الحدیث جلد پنجم ص۶۹)

تقریبًا یہی بات حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی معرکۃ الآرا تالیف درر فرائد۔ ترجمہ جمع الفوائد میں الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ تحریر فرمائی ہے۔ (دیکھئے دُرر فرائد ص۴۹۱) ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، دارمی شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتب حدیث کی دو مرفوع روایتوں اور مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور حضرت عاشق الٰہی میرٹھی کے تشریحی نوٹ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسم اعظم معمہ نہیں بلکہ احادیث میں وارد شدہ حقیقت ہے اور قبولیت دعار میں اسکا خاص اثر ہے نیز یہ بھی

معلوم ہوا کہ شب قدر اور جمعہ کے دن کی قبولیت دعا کی ساعت مخصوصہ کی طرح اس کو بھی مبہم رکھا گیا ہے لیکن جوش تنقید میں تابش صاحب کے ذہن سے یہ تمام چیزیں محو ہو گئیں۔ یا پھر ان کے علم کی رسائی ہی ان باتوں تک نہ ہو سکی۔ اسی لیے وہ۔

ایک مطالعہ کے صفحہ ۸۲ سے صفحہ ۸۴ تک برابر اسم اعظم کو معمہ قرار دیتے گئے ہیں اور اس کا ذکر بڑے طنز و تمسخرانہ انداز میں کیا ہے چند جملے قارئین بھی ملاحظہ کر لیں — فرماتے ہیں۔

(۱)— اسی معمہ کو شیخ الحدیث صاحب نے بھی اُچھالا ہے اور فضائل ذکر کے صہ ۹۸ تا ۹۷ میں اس موضوع پر قصے کہانیوں کا سہارا لیکر بھرپور دادِ تحقیق دی ہے اور اِسی کے پردے میں چلہ کشی کی بھی ترغیب دی ہے۔ (ایک مطالعہ صہ ۸۳-۸۲) کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

(۲)— مگر بُرا ہو خانقاہی تصوف کا۔ اس نے ہر بات کو مُعمہ بنا رکھا ہے۔ صہ ۸۳ ایک مطالعہ؛ فضائل ذکر صہ ۹۹ تا صہ ۹۸ کے حوالے سے شیخ اسماعیل فرغانیؒ کا اسم اعظم سیکھنے کا واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔

(۳) — قارئین غور فرمائیں کہ اس عظیم اور بابرکت نام "اللّٰہ" کو کس حکمت عملی سے معمہ بنا دیا گیا صہ ۸۴ ایک مطالعہ)————

ہم نے سطور بالا میں اسم اعظم کے متعلق احادیث رسولؐ اور معتبر علماء کی تحقیق اور اسکے متعلق تابش مہدی کی چند خرافات کا ذکر کر دیا ہے اب یہ قارئین کے فیصلہ کی چیز ہے کہ دونوں میں سے کس کو قبول کیا جائے احادیث رسول کو یا تابش مہدی کی خرافات کو۔

آخر میں ہم تنقید نگار کی مغالطہ انگیزی واضح کرتے چلیں کہ حضرت شیخ رح نے فضائل ذکر کے ص۹۷ پر اسم اعظم کے بارے میں وہی حدیث نقل کی ہے جو اسماء بنت یزید سے مروی ہے اور جس کا متن مشکوٰۃ سے اور ترجمہ دُررِ فرائد سے ہم نقل کر چکے ہیں حضرت شیخ رح نے یہ حدیث ابنِ شیبہ، احمد۔ دارمی، ابوداؤد۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ وغیرہ کتبِ حدیث کے حوالے سے نقل فرماکر یہ تحقیق بھی لکھدی ہے کہ وصححہ ابنِ ماجہ و ابومسلم الکجی فی السنن الخ۔) اس حدیث کو ابنِ ماجہ اور ابومسلم الکجی نے اپنی سنن میں صحیح قرار دیا ہے ... تابش صاحب نے اِن تمام باتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے قارئین کو یہ مغالطہ انگیز تأثر دینے میں زورِ قلم صرف کردیا کہ حضرت شیخ نے احادیث کا نہیں بلکہ محض قصے کہانیوں کا سہارا لے کر اسم اعظم کے بارے میں بحث فرمائی ہے ــ کیا اسی قسم کی شعبدہ بازیوں کا نام جماعت اسلامی کی ڈکشنریوں میں علم وتحقیق اور تنقید وغیر جانبدارانہ تبصرہ ہے۔؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، ط

۲۹ انیتسواں دھوکا۔ بعنوان، مشائخ کی خوشنودی ذریعہ نجات ہے

حضرت شیخ رح نے فضائل تبلیغ کے صفحہ ۳ پر تمہید کے طور پر کچھ باتیں اور اس رسالے کی وجہ تالیف لکھی ہے بالکل ابتدائی سطروں میں فرماتے ہیں۔ مجدّدین اسلام کے ایک درخشندہ جوہر اور علماء و مشائخ عصر سے ایک آبدار گوہر کا ارشاد ہے کہ تبلیغ دین کی ضرورت کے متعلق مختصر طور پر چند آیات و احادیث لکھ کر پیش کروں۔ چونکہ مجھ جیسے سیاہ کار کے لیے ایسے ہی حضرات کی رضا وخوشنودی و وسیلۂ نجات اور کفارۂ سیئات ہوسکتی ہے حضرت شیخ کا ارشاد" درخشندہ جوہر" اور آبدار موتی" سے بانی تبلیغ حضرت

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے تابش صاحب کو یہ بات ناگوار گذر رہی ہے کہ شیخ رح نے خوشنودی۔ رضا اور وسیلۂ نجات ہونے کی نسبت اللہ کے بجائے مشائخ و علماء کی طرف کیوں کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

کتاب و سنت سے ہمیں صرف یہ روشنی ملتی ہے کہ خدا کی رضا و خوشنودی اور آنحضور کی اتباع و پیروی ہی مومن کے لیے موجب نجات ہو سکتی ہے دوسرے کسی بھی بزرگ ولی، پیر اور صوفی کے لیے کام کرنا اور خدا کی رضا و خوشنودی اور اس کے رسول کی اتباع و پیروی سے بے نیاز ہو جانا سراسر گمراہی اور بے دینی ہے۔ ص۸۴ غالباً تابش صاحب علم کے ساتھ ہی عقل کو بھی بالائے طاق رکھ کر تنقید کرنے بیٹھے ہیں۔ ورنہ مشائخ کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے ان کی خوشنودی حاصل کرنے سے خدا کی رضا و خوشنودی اور رسول ص کے اتباع و پیروی سے بے نیاز ہو جانا کسی بھی طرح لازم نہیں آتا۔

تابش صاحب تو فرما رہے ہیں کہ کتاب و سنت سے صرف خدا کی رضاء و خوشنودی کی روشنی ملتی ہے لیکن حدیث کہتی ہے۔ عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۹ بحوالہ ترمذی شریف (ترمذی ابواب البر والصلہ ص۱۲ ج ۲)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رب کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے

(مشکوٰۃ ترمذی شریف
(ص۱۲ جلد نمبر ۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ والد کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی نہیں حاصل ہوسکتی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳ پر حضرت جابرؓ سے حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ نہ ان کی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی ان کی آسمان پر چڑھتی ہے۔

۱۔ بھاگا ہوا غلام جب تک کہ واپس لوٹ کر اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو جائے۔

۲۔ وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔

۳۔ نشہ والا جب تک کہ ہوش وحواس درست نہ ہوجائیں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا جب تک غلام اپنے آقا کو اور عورت اپنے شوہر کو خوش نہیں کرے گی۔ خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہاں تک کہ نماز بھی قبول نہیں ہوسکتی۔

ترمذی شریف میں ام سلمہؓ سے ایک حدیث مروی ہے۔ ایما امراۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ (رواہ الترمذی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو عورت اس حال میں مرے کہ اسکا شوہر اس سے راضی ہو تو جنت میں داخل ہوگی اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کی خوشنودی ذریعۂ نجات ہے۔

ترمذی شریف کی ایک روایت مشکوٰۃ ص ۲۸۱ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے صاحب مظاہر حق نے اس حدیث کا ترجمہ کرنیکے بعد تحریر فرمایا ہے "جو خاوند کہ عالم اور متقی ہو اسکی رضامندی کا یہ ثواب ہے نہ فاسق جاہل کی رضامندی کا" مظاہر حق ج ۳ ص ۳۴۳

تابش صاحب کی فریبکاری سے پردہ اٹھانے کے لیے یہ چند احادیث جو بیان کی گئی کافی ہیں۔

فضائل قرآن کے بارے میں فریب کاریاں
تیسواں دھوکا بعنوان

تلاوت کی فضیلت مگر احکام کی طرف سے بے رغبتی

پہلا اعتراض ورد (ذکر) اور درود کے موضوع پر تو محترم شیخ الحدیث صاحب نے سینکڑوں صفحات سپرد قلم فرما دیئے لیکن قرآن حکیم کی اہمیت وفضیلت پر آپ کا اشہب قلم ستر اکہتر صفحات سے آگے نہ بڑھ سکا۔ (ایک مطالعہ ص۸۵)

جواب: ذکر اور درود شریف کے فضائل عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ لیکن قرآن کی اہمیت وفضیلت سے اکثر مسلمان باخبر ہیں۔ اس لیے ذکر و درود شریف کے فضائل میں طول اور قرآن کے فضائل میں اختصار سے کام لیا گیا۔

دوسرا اعتراض فضائل قرآن میں قرآنی احکام سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف برکات و فضائل پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (ملخصاً ایک مطالعہ ص۸۵)

جواب: فضائل قرآن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فضائل ہی کی کتاب ہے اس لیے اس میں صرف فضائل لکھے ہیں اگر اس کا نام "احکام القرآن" ہوتا تو یقیناً احکام بیان کئے جاتے۔ دراصل جماعت اسلامی والوں نے قرآن کو "حاکمیت الٰہ" اور جہاد" کی کتاب سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے قرآن کے متعلق جو بھی کتاب ایسی لکھی جاتی ہے جسمیں جماعت اسلامی کے یہ دونوں "مزعومات" نہیں ہوتے تو وہ اس کو فضول سی کتاب تصور کر لیتے ہیں چاہے اسمیں کتنی ہی احادیث رسول بیان کی گئی ہوں۔

اکتیسواں (۳۱) دھوکا ——— ایک المیہ ———

اشارات —: مہاراشٹر کی کسی مسجد میں بعد نمازِ عشاء تبلیغی نصاب پڑھی جانا
—: کئی روز سے فضائل قرآن کی خواندگی ہونا۔
—: نوجوان نومسلم کا توجہ سے سننا۔
—: لوگوں سے قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرنا۔
—: لوگوں کی طرف سے یہ جواب ملنا کہ قرآن کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں جاہل نہیں۔
—: نومسلم کا اپنے پرانے مذہب کی طرف چلا جانا۔

یہ چند اشارات ہیں تابش صاحب کے شنیدہ اس واقعہ (یا افسانے) کے جو ایک مطالعہ کے صفحہ ۸۶ پر بکھرا ہوا ہے۔ اس افسانے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو چند جاہلوں کے فعل کا الزام حضرت شیخ اور ان کی کتب پر کیسے عائد ہو سکتا ہے تابش صاحب جیسوں کو تبلیغی نصاب سے اسلام کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی ہوئی نظر آرہی ہیں تو آئے، کیونکہ انھوں نے اسلام کا جو تصور کر لیا ہے کہ جسمیں نوافل کی کثرت، شب بیداریاں تلاوت و تفکر، ذکر و اذکار، اوراد و وظائف، صدقات و خیرات، توبہ و استغفار عشق و محبت، انابت و اخبات وغیرہ میں سے تو کوئی چیز نہ پائی جائے۔ ہاں الیکشنی جہاد و حکومت الٰہیہ کے نعرے، سیاستِ حاضرہ اور وزارت و صدارت کی باتیں خوب ہوں تو ظاہر بات ہے کہ تبلیغی نصاب میں اس قسم کے سیاسی اسلام کی باتیں نہیں ہیں اس لیے سیاسی اسلام والوں کو اس سے اسلام کی بنیادیں کھوکھلی ہی ہوتی نظر آئیں گی، لیکن جو لوگ "محمدی اسلام" کے پیرو کار ہیں انکا مشاہدہ یہ ہیکہ تبلیغی نصاب نے

نے پوری دنیا میں اسلام کی روح پھونک دی ہے اور اللہ کے بندوں کا تعلق اپنے مولیٰ سے جوڑ دیا ہے۔

۳۲ بتیسواں دھوکا بعنوان تحریف قرآن کا عظیم نمونہ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قرآن پاک جلد نکل جانے والا ہے۔ سینوں سے بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے بخاری و مسلم کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کی شرح کرتے ہوئے دو سطریں لکھ کر شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں۔

[دراصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ یاد ہو جانا درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے ورنہ اس سے آدھی مقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ قریب بہ محال ہے] اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورۂ قمر میں بطور احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔ ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کیلئے سہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔ (فضائل قرآن ص۵۵)]

سورۂ قمر کی اس آیت کے وہ تراجم جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت شیخ الہندؒ مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ۔ شیخ سعدیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کئے ہیں، لکھنے کے بعد تابش صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

[غرض تمام علماء و مفسرین نے اس آیت کا وہی مفہوم لیا ہے جو سورۃ کے موضوع اور پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے۔ (مگر محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ان تمام علماء و مفسرین

سے جدا گانہ اور بالکل بے بنیاد مفہوم لیا ہے۔ ایسا مفہوم جو سورۃ کے موضوع اور شانِ نزول سے ہرگز میل نہیں کھاتا۔ (ایک مطالعہ ص ۸۹)

اپنے گمان کے مطابق شیخ کے اخذ کردہ مفہوم کو غلط قرار دینے سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی کسی بھی آیت یا جملہ کا وہ مفہوم اخذ کرنا جو منشاء خداوندی کے برعکس ہو تحریف کہلاتا ہے اور جس نے قرآن حکیم میں تحریف کی اس نے گویا اسلام کی بنیاد ہی ہلا دی اور جس نے اسلام کی بنیاد ہلائی یا ہلانے کی کوشش کی اس کا تعلق اسلام سے کس حد تک قائم رہ سکتا ہے۔ اس سے قارئین بخوبی واقف ہوں گے۔" (ص ۸۷)

جب خوفِ خدا سے بالکل ہی عاری ہو کر، اور آخرت کی جوابدہی سے کلی طور پر بے نیاز ہو کر لکھنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے۔ تو اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی صاف واضح الفاظ میں لکھ دیا ہوتا کہ شیخ الحدیث نے قرآن میں تحریف کی اس لئے مرتد و کافر ہو گئے اور جو ان کی اس تحریف سے واقف ہو جانے کے بعد بھی انھیں کافر نہ سمجھے یا کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہو گیا (نعوذ باللہ منہ) بہرحال تابش مہدی نے حضرت شیخ پر ڈھکے چھپے الفاظ میں کفر کا حکم لگایا ہے کیوں کہ اسلام کی بنیاد ہلانے والے کا یا ہلانے کی کوشش کرنے والے کا اسلام سے کچھ بھی تعلق قائم نہ رہنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسا آدمی کافر ہے۔۔۔ تابش صاحب کا جملہ" اس کا تعلق اسلام سے کس حد تک قائم رہ سکتا ہے؟ بظاہر تو سوالیہ جملہ ہے۔ لیکن اردو ادب میں اس قسم کی ترکیب والے سوالیہ جملے کو" اِستفہام اقراری کہتے ہیں۔ حضرت شیخ پر حکم کفر عائد کرتے وقت تابش مہدی کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ شیخ اگر کافر نہ ہوئے ہوں، اور یقیناً نہیں ہوئے تو یہی کفر حدیث صحیح کے مطابق خود قائل پر لوٹ آئے گا؟

تابش صاحب کو اصرار ہے کہ سورۂ قمر کی زیر بحث آیت کا بس ایک ہی مفہوم صحیح ہے اور وہ یہ کہ .... اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے " تابش صاحب کے نزدیک اس مفہوم کے علاوہ دوسرا کوئی مفہوم لینا قرآن میں تحریف کرنا ہے۔ اب ہم اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ سورۂ قمر کی آیت کے لفظ **لِلذِّکر** سے حفظ قرآن مراد لینے میں حضرت شیخ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ دوسرے بہت سارے مفسرین نے بھی یہ مفہوم لیا ہے۔ خود حضرت شیخؒ سے جب یہ اعتراض کیا گیا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

[(۱) وَلَقَد یَسَّرنَا القُراٰنَ لِلذِّکرِ۔ الآیہ کے) علماء مفسرین نے دونوں نصیحت وحفظ) معنی لکھے ہیں۔ جلالین شریف میں جو مشہور درسی کتاب ہے اسمیں لکھا ہے۔ وَلَقَد یَسَّرنَا القُراٰنَ لِلذِّکرِ اَی سَہَّلنَاہُ لِلحِفظِ (ہم نے قرآن کو ذکر کیلئے آسان کر دیا۔ یعنی اسکو سہل کر دیا حفظ کے لیے) اور اس کی شرح جمل میں تو قرطبی سے حفظ والے معنیٰ کو اصل قرار دیا اور دوسرے معنیٰ کو یجوز (جائز ہے) کر کے لکھا ہے۔

(کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص۵۳)]

(۲) عربی داں حضرات چاہیں تو اصل جلالین شریف ص۴۴۱ پر یہ بحث اور اس پر لکھا ہوا حاشیہ ص۱۷ دیکھ لیں۔

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ لِلذِّکرِ " ذکر کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے بھی۔ یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا۔ یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب تورات یا انجیل یا زبور لوگوں کو برزبان یاد ہو۔ اور یہ حق تعالیٰ

ہی کی تیسیر اور آسانی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زیر زبر کا فرق نہیں آتا۔ چودہ سو برس سے ہر زمانہ ہر طبقے ہر خطّے میں ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے۔

(معارف القرآن جلد ہشتم صـ ۲۳)

اس عبارت کے متصل بعد حضرت مفتی اعظم ؒ نے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے معنی لکھے ہیں۔ حفظ کے معنی کو مقدم کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جلالین شریف اور اس کی شرح جمل کے مفسرین کی طرح صاحب معارف القرآن کے نزدیک بھی حفظ کے معنی راجح ہیں۔

جناب مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبوی کے موضوع پر تین جلدوں میں ضخیم کتاب تالیف فرمائی جو اپنی چند خصوصیات کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ اس کی جلد سوم کی فصل ششم کا ذیلی عنوان۔ "قرآن ذی الذکر کی پیش گوئیاں" ہے۔ پانچویں پیش گوئی کے تحت فاضل مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ اور پھر اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "ہم نے قرآن کو یاد کرنے کیلئے آسان بنا دیا ہے"۔ (رحمۃ اللعالمین جلد سوم صـ ۲۶۳)

آیت پاک اور اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد جناب قاضی صاحبؒ موصوف اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پیشگوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام و ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از بر سنانا شروع کیا۔ تب دوسروں کو بھی امنگ آنی چاہیئے تھی دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے

یہ نظیر موجود تھی۔ مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا۔ نہ یہودی، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو نہ کوئی اور جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ ..... " یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

(دیکھئے حوالہ سابق)

واضح رہے کہ رحمۃ للعالمین کے مؤلف " تاریک خیال " ملاؤں " یا ائمہ کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونے والوں میں سے نہیں تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس مئو کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڈھ آکر دار المصنفین میں بھی دو راتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث (یعنی غیر مقلد۔م) ہیں۔ (تقدمہ رحمۃ اللعالمین جلد سوم صـ) اسی صفحہ پر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

" مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یک جا تھی " (ایضاً)

سطور بالا میں ہم پوری وضاحت کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ سورۂ قمر کی آیت میں " للذکر " کا مفہوم حفظ قرآن لینے والے صرف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ ہی نہیں، بلکہ متعدد علما مفسرین نے بھی یہ مفہوم لیا ہے بلکہ بعض حضرات نے تو اسی مفہوم کو راجح اور نصیحت و عبرت کے مفہوم کو مرجوح تک قرار دیا ہے ۔۔ اگر تابش مہدی کے پاس علم دین کی نعمت نہیں تھی تو وہ ایک شیخ الحدیث پر تنقید کرنے سے پہلے اہل علم کی طرف رجوع فرما لیتے تب انھیں علم کے میدان میں اتنی ٹھوکریں نہیں کھانی پڑتیں۔ لیکن انھوں نے یہ سب نہ کرتے ہوئے رجوع

بھی کیا تو جناب رطب علی صاحب الہ آبادی جیسوں کی طرف جو جماعت اسلامی کے رکن ہونے کے ساتھ ہی "غیر عالم" بھی ہیں اور انھیں خود اپنے عالم نہ ہونے کا اقرار ہے۔

تینتیسواں ۳۳ دھوکا بعنوان تبلیغی نصاب کا آخری حصّہ فضائل درود کے بارے میں فریب کاریاں

رسالہ۔ فضائل درود شریف: کو تابش صاحب نے میلادِ گوہر، میلادِ اکبر، قصّہ جنگِ زیتون اور یوسف و زلیخا جیسی گمراہ کن اور بوگس کتابوں سے بھی بہت زیادہ گمراہ اور بوگس بتایا ہے (صنہ ۹) اگر وہ شمع، روبی اور جاسوسی دنیا کا نام بھی لے لیتے تو جملے اور زیادہ پھڑک دار ہو جاتے اور ان کے اردو ادب کو خوب دادِ تحسین ملتی۔ لیکن ایک سوال پھر بھی باقی رہ جاتا وہ یہ کہ آنجناب ایک بڑے محدث کی کتابوں پر تنقید کرنے بیٹھے تھے نہ کہ اردو ادب میں دادِ تحسین حاصل کرنے کے لیے، اور تنقید میں پھڑکدار جملے نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل مطلوب ہوتے ہیں۔ آخر انھوں نے اس مطلوب چیز سے صَرفِ نظر کیوں کی؟ فضائلِ درود کو مذکورہ کتابوں سے زیادہ گمراہ کن بتا دینے سے تو دعویٰ ثابت نہیں ہو جائے گا۔

[آپ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ "مؤلف مرحوم" نے دونوں آنکھیں بند کر کے اندھا دھند روایتیں نقل فرمائی ہیں، روایتوں کی اسناد دیکھنے، یا انھیں تنقید و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی قطعی ضرورت نہیں محسوس کی۔ صنہ ۹۰]

معلوم نہیں تابش مہدی کا مبلغ علم کیا ہے؟ ان کی تنقیدات کو پڑھ کر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ

انھیں علم و تحقیق کی ہوا بھی نہیں لگی، ورنہ ہر علم رکھنے والا جانتا ہے کہ قصص و واقعات جس کو تاریخ کہتے ہیں وہ عبرت و نصیحت کیلئے لکھے اور بیان کئے جاتے ہیں، تاریخ سے نہ تو عقائد و احکام ثابت ہوتے ہیں اور نہ اس سے یہ مقصد حل ہوتا ہے۔ اگر ناقد محترم میں علمی کتب دیکھنے کی صلاحیت نہیں تھی تو اپنے ذہنی آقا مولانا مودودی مرحوم کی خلافت و ملوکیت ہی دیکھ لیتے۔ اس کتاب کے "ضمیمہ" میں صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں۔

بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کے لئے ..... **حدیث اور تاریخ کا فرق** .... اسماء الرجال .... کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے اور فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت تو وہ بچہ تھا یا پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ اور فلاں راوی ایک روایت جس کے حوالے سے بیان کرتا ہے، اس سے تو وہ ملا ہی نہیں۔ اسی طرح وہ تاریخی روایات پر تنقید حدیث کے اصول استعمال کرتے ہیں اور اس بناء پر ان کو رد کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ سند کے بغیر نقل کیا گیا ہے اور فلاں روایت کی سند میں انقطاع ہے یہ باتیں کرتے وقت یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ محدثین نے روایت کی جانچ پڑتال کے یہ طریقے دراصل احکامی احادیث کے لئے اختیار کئے ہیں۔

کیوں کہ ان پر حرام و حلال، فرض و واجب اور مکروہ اور مستحب جیسے اہم شرعی امور کا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ دین میں کیا چیز سنت ہے اور کیا چیز سنت نہیں ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص۲۹۳ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، چوتھا ایڈیشن)

مولانا مودودی مرحوم کی اس تحقیق سے ہمیں صحابہ کرام پر لعن طعن کی حد تک اتفاق نہیں ہے کیوں کہ جب خود انھیں اس کا اقرار ہے کہ تاریخی روایات سے احکام نہیں ثابت ہوتے تو عقائد بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوں گے اور صحابہ سے محبت رکھنا عقائد میں داخل ہے

اس لیئے صحابہ کرام پر لعن طعن کا جواز یا کسی بھی دینی مسئلہ کے ثبوت کے لیئے تاریخی روایات قابلِ قبول نہ ہوں گی۔ ہاں صرف عبرت و نصیحت کے لیئے تاریخ کا سہارا لیا جا سکتا ہے مولانا مرحوم کی مذکورہ تحقیق اس مقصد کے لیے یقیناً قابلِ قبول ہے۔ حضرت شیخ نے جہاں بھی تاریخی روایات پیش فرمائی ہیں اُن سے مقصد عبرت و نصیحت ہی ہے۔

چونتیسواں دھوکا..... بعنوان "امام شافعیؒ کی مغفرت"

اہلِ سنت کے نزدیک "توسیع قدرت" کا عقیدہ ہمیشہ سے تسلیم شدہ رہا ہے اس عقیدہ کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا عام دستور قرآن و حدیث میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بندوں کو جنت اور سرکش و نافرمانوں کو دوزخ میں داخل فرمائیگا لیکن وہ اپنے اس عام دستور کا پابند نہیں ہو گیا اگر چاہے تو بڑے سے بڑے گنہگار کو جنت میں داخل فرمادے اور بڑے سے بڑے فرمانبردار کو جہنم میں جھونک دے۔

دوسری اصولی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محض اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ اعمال کی ان کیفیات و جذبات کی قیمت ہے، جن کو اخلاص و احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کیفیات سے خالی نمازوں کو نمازی کے منہ پر مار دیئے جانے کا ذکر حدیثِ صحیح میں وارد ہوا ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی میں ابوسعید خدریؓ سے مروی حدیث پاک میں صحابہ کرام کا راہِ خدا میں ایک مُد یا اس سے بھی کم سونا خرچ کرنے کو بعد والوں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بھی افضل فرمایا گیا ہے اسکی وجہ حضراتِ صحابہؓ کی وہ ایمانی و اخلاصی کیفیات ہی ہیں جو اُن کے تھوڑے سے عمل کو بھی قیمتی سے قیمتی تر بنا دیا کرتی ہے۔ ان چند اصولی باتوں کو ذہن نشین

کر لینے کے بعد فضائل درود کے ص۸۸ کا یہ قصہ ملاحظہ فرمائیے، حضرت شیخ رح رقمطراز ہیں ["روضۃ الاحباب" میں امام اسمٰعیل بن ابراہیم مزنی رح سے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ میں نے امام شافعی رح کو بعد انتقال کے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا؟ وہ بولے مجھے بخش دیا اور حکم فرمایا کہ مجھ کو تعظیم و احترام کیساتھ بہشت میں لے جائیں اور یہ سب برکت ایک درود کی ہے۔

اب اس قصہ پر جناب تابش صاحب کا اعتراض بھی ملاحظہ فرمالیجیے، ارشاد ہوتا ہے۔

"یعنی امام صاحب کی وہ تمام خدمات جو انھوں نے تحفظ سنت اور اقامت دین کے سلسلے میں کیں، اکارت گئیں، وہاں صرف درود کا پڑھنا ان کے کام آیا۔"
(ایک مطالعہ ص۹۰)

کچھ آگے چل کر فضائلِ درود ہی کے ص۹۰ کے حوالے سے اسی قسم کا واقعہ ایک دوسرے بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی مغفرت بھی کثرتِ درود کی وجہ سے ہوگئی۔ اور دوسری کوئی عبادت کام نہ آئی۔

ہمیں امید نہیں تھی کہ جماعتِ اسلامی کے مجاہدین کی "آزادی فکر" اس درجہ تک پہنچ جائیگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھی مُقیّد کرنے کی کوشش کرینگے، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ جس کو چاہے چھوٹے سے عمل پر بخش دے۔ تابش صاحب کو اس کی رحمت میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بڑے بڑے گنہگار کسی معمولی نیکی پر بخش دیئے گئے۔ مثلاً پیاسے کتے کو پانی پلا دینے کی وجہ سے فاحشہ عورت کی مغفرت کا ذکر

صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تابش صاحب جیسوں کی عقلی منطق کی رو سے اس قسم کی احادیث پر بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ .... یعنی ان گنہگاروں کے تمام گناہوں سے چشم پوشی کر لی گئی اور صرف ایک معمولی نیکی کی وجہ سے مغفرت کر دی گئی؟ لیکن اللہ تعالیٰ تابش صاحب کی منطق کا تابع نہیں ہے بلکہ اس نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا ہے کہ

(۱) فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ (البقرۃ)

(۲) وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ؕ (البروج)

ترجمہ: اور وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے بزرگ و برتر ہے اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔ (البروج) ترجمۂ مولانا مودودی)

سورۃ البروج کی آخری آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں۔

"وہ جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے .... یعنی پوری کائنات میں کسی کو بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرے۔ اسمیں وہ مانع و مزاحم ہو سکے۔ (تفہیم القرآن جلد ششم)

جبکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ" قرآن سے ثابت ہے اس کے علاوہ بڑے بڑے گنہگاروں کا احادیثِ صحیحہ سے معمولی نیکیوں پر بخش دیا جانا بھی معلوم ہو رہا ہے تو امام شافعیؒ کی درود پڑھنے کی ادا پسند کر لی جائے تو (مصنف ایک مطالعہ) اللہ کے اس ارادہ میں مانع و مزاحم ہونے والے کون ہوتے ہیں جبکہ روایتِ صحیحہ میں یہ بھی وضاحت آ چکی کہ کوئی شخص اپنے اعمال کیوجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے جنت میں جائیگا۔ (عن عائشۃؓ فی المشکوٰۃ) اس سے دوسری عبادات کا اکارت ہو جانا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اعمالنامہ میں ہر عمل کا لکھا جانا خود تابش صاحب کو تسلیم ہے جیسا کہ انہوں نے یہ عقیدہ قرآنی احکام سے میل نہیں کھاتا۔ کے تحت اس پر طویل بحث کی ہے۔ محترم تابش صاحب نے "روضۃ الاحباب" کے مصنف کو غالی رافضی تو قرار دیدیا لیکن دلیل کچھ بھی پیش نہیں کی؟

غالی رافضی تو سُنیوں کو دوزخی کہتے ہیں۔ رَوضَۃُ الْاَحبَابْ کا مصنف غالی رافضی ہوتا تو امام شافعیؒ کو جو کہ سُنّی تھے۔ مغفور و جنّتی کیسے قرار دے سکتا ہے...؟ لیکن چلئے بفرضِ محال مان لیتے ہیں کہ وہ غالی رافضی تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مودودی مرحوم نے خلافت و ملوکیت کے ضمیمہ میں شیعوں اور رافضیوں سے روایتیں لینے کا خود اقرار کیا ہے۔ تابش صاحب کا شوقِ تنقید اس وقت کیوں جوش میں نہیں آیا..؟

پینتیسواں ۳۵ دھوکا۔ درود کے جادوئی کرشمے

ایک سُنّی مسلمان کیلئے یہ عنوان ہی چونکا دینے والا ہے۔ کیونکہ اعمال و اذکار میں اثر ہونا اور بزرگوں سے کرامات کا صادر ہونا، دونوں ہی باتیں اہل سنت کے نزدیک حق ہیں حتّیٰ کہ مولانا مودودی مرحوم نے بھی عمل کے اثر کو تفہیم القرآن جلد ششم میں سورۂ فلق و سورۂ ناس کی تفسیر کے تحت تسلیم کیا اور اس پر متعدد دلائل لکھے ہیں۔ درود شریف بھی ایک عمل ہے اس کی احادیث میں بہت ساری فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ صرف عمل ہی نہیں بلکہ بڑا مبارک عمل ہے۔ اس پر جو بھی برکات حاصل ہوں، کم ہی ہیں۔ ایسے مبارک عمل کو "جادو" کا نام دے کر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش وہی کر سکتا ہے جو ایمانی و احسانی کیفیات سے محروم ہو۔

حضرت شیخؒ نے فضائلِ درود ص۸۸ پر موسیٰ ضریرؒ کا قصّہ لکھا ہے۔ وہ دریائی سفر کر رہے تھے۔ جہاز ڈوبنے لگا، اُن پر غنودگی طاری ہوئی۔ اسی حالت میں رسالتمآب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے انھیں ایک درود شریف

بتا کر اہل جہاز کو اسے ہزار مرتبہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ تین سو مرتبہ جہاز والوں نے اس درود کو پڑھا تھا کہ جہاز نے نجات پائی۔

اس واقعہ پر تابش صاحب گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" قارئین غور فرمائیں کہ جب جہاز ڈوبنے لگا تو بجائے اس کے کہ وہ بزرگ گھبراتے اور نجات کی اپنی سی کوئی تدبیر سوچتے اور ان پر نیند کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس واقعہ کی آڑ میں مؤلف نے آنحضور ﷺ کو حاضر و ناظر اور مشکل کشا بھی ثابت کر دیا۔ پھر تو تمام علماء دیوبند کو بریلوی حضرات سے دستِ مصالحت ملا لینا چاہیئے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑا نزاعی مسئلہ ہی یہی ہے" پھر اس کے متصل بعد بڑے دعوے کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔

" کیا علماء دیوبند اس کی کوئی معقول تاویل پیش کر سکیں گے؟"

جواباً عرض ہے کہ علماء دیوبند کے مذہب کی بنیاد آپ کے سیاسی مذہب کی طرح تاویلات پر نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کی مضبوط دلیلوں پر ہے۔ آپ کو حضرت شیخ ؒ کے عناد کی وجہ سے۔

مذکورۂ بالا قصہ میں ان بزرگ پر عین پریشانی کی حالت میں نیند طاری ہو جانے پر اعتراض ہے لیکن قرآن پاک کی صریح آیات کو بھول گئے جنہیں عین میدانِ جنگ میں شکست کے وقت صحابۂ کرام کی بھی یہی حالت ہوئی تھی اور ان پر بھی نیند طاری ہوئی تھی۔ "

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وانزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طائفة منکم (الآیۃ) (آلِ عمران ۱۵٤) مولانا مودودی اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کردی کہ وہ اونگھنے لگے ......" پریشانی کے وقت اونگھ طاری ہو جانا خلافِ عقل ہے۔ لہٰذا تابش صاحب کیا قرآن کی اس آیت کی بھی تکذیب کریں گے ؟۔ ؟۔ ؟۔

خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جانے اور آپ کا درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمانے سے آپ کا حاضر و ناظر یا مشکل کشا ہونا آخر کیسے ثابت ہو گیا؟ کیا جماعت اسلامی کے مذہب کی بنیاد خوابوں پر قائم ہونے لگی ہے؟ اہل سنّت کے نزدیک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں یک وقت امّت کے کئی افراد کو روزانہ خواب میں آپ کی زیارت اور گفتگو کا شرف حاصل ہوتا ہو گا۔ حدیث صحیح کی بناء پر آپ کو خواب میں دیکھنا، درحقیقت آپ ہی کو دیکھنا ہے، کیونکہ شیطان آپ کی صورت نہیں اختیار کر سکتا۔ متعدد حضرات کا ایک ہی وقت میں آپ کی زیارت اور گفتگو سے مشرف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ ہر جگہ بنفسِ نفیس حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ زائرین اور قبر مبارک کے درمیانی حجابات اٹھا کر زیارت کروائی جاتی ہے لہٰذا حضورؐ کا کسی کی مدد فرمانا ایسا ہی ہے جیسے دنیا میں زندہ لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ فاضل ناقد کی یہ تنقید تو بڑی ہی عجیب ہے کہ [اس واقعہ کی آڑ میں مؤلف نے آنحضور کو حاضر و ناظر اور مشکل کشا بھی ثابت کر دیا۔] پھر اس تنقید میں انھوں نے علماء دیوبند کو بریلویوں سے ملا دیا ہے اس کو ہم نے عجیب اس لئے کہا کہ ناقد کو جوشِ تنقید میں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ خوابوں سے احکامِ شریعت بھی ثابت نہیں ہوتے پھر عقائد کیسے ثابت ہو سکتے ہیں۔

۳۶ واں دھوکا بعنوان "دوسرا کرشمہ"

تابش مہدی نے دلائل کے بجائے خوابوں اور غلط مفروضوں کو بنیاد بنا کر فن تنقید میں نئی ایجاد پیش کی ہے۔ اور اس ایجاد پر انھیں جماعت اسلامی کی طرف سے خوب دادِ تحسین بھی مل رہی ہو گی..... حضرت شیخؒ نے دلائل الخیرات کی وجہ تالیف

بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے" مؤلف (دلائل الخیرات) کو سفر میں وضو کے پانی کی ضرورت تھی اور ڈول رسی نہ ہونے سے پریشان تھے ایک لڑکی نے یہ حال دیکھ کر دریافت کیا اور کنوئیں میں تھوک دیا۔ پانی کنارے تک اُبل آیا۔ مؤلف نے حیران ہوکر وجہ پوچھی اس نے کہا یہ برکت ہے درود شریف کی۔ جس کے بعد انھوں نے یہ کتاب دلائل الخیرات تالیف کی۔" (فضائل درود شریف ص۹۱)

اب اس واقعہ پر مصنف ایک مطالعہ کے ایجاد کردہ فنِ تنقید کا لُبِ لباب بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔

(۱) آنحضورؐ اور صحابۂ کرامؓ جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو ذاتی کنواں نہ ہونے کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی۔ آخر ایک یہودی کا کنواں خرید کر حضرت عثمان غنیؓ نے مسلمانوں کی پریشانی کسی قدر دور کی۔ وہاں یہ کرشمہ نہ ظاہر ہوسکا کہ آپ کسی مقام پر کوئی کنواں نما گڑھا کھدوا کر اس میں تھوک دیتے کہ پانی اُبل پڑتا۔ حالانکہ آپ نبی تھے۔ پھر اس لڑکی سے جو نبیّہ وصحابیہ نہ تھی اس سے یہ کرشمہ کیسے ظاہر ہوگیا۔ ؟

(۲) وہ لڑکی بے آب وگیاہ جنگل میں بے پردہ اور تنہا کیسے پھر رہی تھی۔ اس تک پردے کے احکام یقیناً پہنچ چکے ہوں گے۔ (ایک مطالعہ ص۹۲)

قارئین یہاں یہ بات نوٹ کرلیں کہ تابش صاحب کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا کوئی کرشمہ ظاہر نہیں ہوا جیسا کہ مذکورۂ بالا قصّہ میں لڑکی سے ظاہر ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ کتب حدیث میں پانی سے متعلق حضورؐ کے بہت سے معجزات اس سے بھی بڑے ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر پانی کا صرف ایک قطرہ باقی رہا تھا۔ اسے حکم نبوی کے مطابق بسم اللہ کہہ کر آپ کے دستِ مبارک پر ڈالدیا گیا تو مبارک انگلیوں سے پانی کا فوارہ نکل پڑا۔ یہ واقعہ

ــــہ ھ کا ہے ۔اس کے پانی سے چار سو صحابہ سیراب ہوئے پھر بھی پانی ختم نہ ہوا۔

صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک کوزہ پانی تھا۔ آپ نے اس قلیل پانی میں دست مبارک ڈالدیا تو مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔ جس نے تمام لشکر کو سیراب کر دیا۔ حدیبیہ ہی میں جہاں آپؐ کا قیام ایک ہفتہ رہا، دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ وہاں کا سوکھا کنواں آپ کے کلی کر دینے سے پانی سے لبریز ہوگیا۔ اس کے راوی بھی حضرت جابر ہیں۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے یہ دونوں معجزے ۶ھ میں ظاہر ہوئے۔ غرض متعدد احادیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی سے متعلق معجزوں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن سیاسی اسلام کی رسائی ان تک نہ ہوسکی اس لیے مطلقاً ان کا انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ معجزات عموماً اسی وقت ظاہر ہوئے ہیں جبکہ ملنے کے مادی ذرائع بالکل ہی مفقود ہوگئے۔ جہاں مادی طریقوں سے پانی ملنے کا احتمال تھا وہاں اس قسم کے معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔

اب یہ سوال مذکورۂ بالا واقعہ پر رہ جاتا ہے کہ وہ لڑکی تنہا بے پردہ جنگلوں میں کیوں پھر رہی تھی؟ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ سب مؤلف ایک مطالعہ کے قائم کردہ مفروضے ہیں۔ قصّہ میں نہ تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جنگل میں پیش آیا۔ اور نہ یہ ہے کہ وہ لڑکی بالغہ تھی... بلکہ دلائل الخیرات کے شروع میں مؤلف کی مختصر سیرت لکھی ہے اسمیں اسکی وضاحت ہے کہ آپ تبلیغ کے لیئے شہر فارس کے ایک گاؤں تشریف لے گئے وہاں یہ قصّہ پیش آیا کہ ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ کنواں موجود تھا لیکن ڈول رسّی نہیں تھی آپ کنوئیں کے چاروں طرف پریشانی کے عالم میں چکر لگا رہے تھے۔ سامنے ہی ایک مکان تھا۔ جس سے ایک آٹھ نو برس کی لڑکی یہ ماجرا دیکھ رہی تھی۔ الخ

۳۷ واں دھوکا ۔ بعنوان "تیسرا کرشمہ"

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ زردق رح کے حوالے سے لکھا تھا کہ مؤلف دلائل الخیرات کی قبر سے خوشبو مشک و عنبر کی آتی ہے ۔ اور یہ سب برکت درود شریف کی ہے (فضائل درود شریف صہ۸۹)

اس پر مؤلف ایک مطالعہ لکھتے ہیں ۔

کاش محترم شیخ رح نے صاحب دلائل الخیرات کی قبر کا اتا پتہ بھی بتادیا ہوتا تو ہم بھی مشک و عنبر کی وہ بو' سونگھ لیتے ۔ (ایک مطالعہ صہ۹۳)

یعنی تابش صاحب کے نزدیک یہ سب بکواس ہے ان کی عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے خوشبو کیسے آسکتی ہے ؟ ہم انھیں دلائل الخیرات کے مؤلف محمد بن سلیمان جزولی کی قبر کا اتا پتہ بتادیتے ہیں کہ آں موصوف مراکش کے مشہور قبرستان ریاض الفردوس میں مدفون ہیں ۔ تابش صاحب کو چاہیئے کہ وہاں جاکر دیکھ لیں کہ خوشبو کی بات صحیح ہے یا بکواس ہی ہے ۔ بشرطیکہ ان کی قوتِ شامہ بھی صحیح ہو ۔ ہمیں تو اس کی صحت پر اعتماد ہے ۔

اڑتیسواں ۳۸ دھوکا بعنوان "یہ چوتھا کرشمہ بھی"

معلوم نہیں تابش صاحب کیوں برکاتِ درود شریف اور کراماتِ اولیاء کا بڑے مضحکہ خیز انداز میں انکار کرتے جارہے ہیں ۔

فضائل درود شریف صہ۹۱ پر ایک واقعہ شیخ ابن حجر مکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک نیک آدمی روزانہ رات کو بعد دمُعین درود شریف پڑھا کرتا تھا ۔ ایک رات وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ آپ کی تشریف آوری سے اس کا تمام گھر

روشن ہوگیا آپؐ نے اس کے رخسار (گالوں) کو بوسہ دیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو سارے گھر میں مشک کی خوشبو باقی تھی۔

قارئین اس واقعہ کو بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ اس میں کونسی بات اسلام کے خلاف یا خدا اور رسول کے احکام سے بے نیاز کر دینے والی ہے؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جانا منافی اسلام ہے؟ یا آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے گھر کا روشن ہو جانا غلط ہے؟ جبکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ تاریک گھر میں آتے تھے تو مکان، اتنا روشن ہو جاتا تھا کہ وہ سوئی تک تلاش کر لیتی تھیں یا آپ کی آمد سے مکان میں خوشبو پھیل جانا، شریعت کے خلاف ہے؟ جبکہ احادیث میں بکثرت وارد ہوا ہے کہ آپؐ کے جسم اطہر سے مشک کی خوشبو آتی تھی، حتیٰ کہ آپ بازار تشریف لاتے تو خوشبو سے بازار مہک جاتا تھا اور لوگ جان لیتے تھے کہ آپؐ تشریف لائے ہیں معلوم ہوا کہ اس قصے میں ایک بات بھی خلاف شریعت یا خدا اور رسول کے احکام سے بے نیاز کر دینے والی نہیں ہے۔ لیکن تابش صاحب کا مسموم ذہن اس واقعہ میں یہی باتیں محسوس کر رہا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں ...

> غور فرمایئے کہ یہ قصہ انسان کو خدا اور رسول کے احکام سے بے نیاز کرنے میں کس درجہ ممد و معاون ہے اس کو کہتے ہیں میٹھا زہر۔ خدا جانے یہ شیخ ابن حجر مکی کون صاحب ہیں جو اس قسم کے واقعات گھڑ کر عوام کی عاقبت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں ...
>
> محترم شیخ الحدیث صاحب کو کچھ تو سوچنا چاہیئے تھا۔ آخر ان روایات سے قارئین کو کیا کچھ حاصل ہو سکے گا؟ کیا محترم شیخ اور ان کے ہمنوا علماء اور تبلیغی بھائی یہاں بھی یہ کہہ کر گذر جائیں گے کہ فضائل میں ضعیف احادیث بیان کی جاسکتی ہیں۔ (ایک مطالعہ ص۹۳)

ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں کہ اس قصہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو خدا اور رسول کے احکام سے بے نیاز کرنے والی ہو۔ ہمیں انتہائی تعجب ہو رہا ہے کہ جناب ناقد شیخ ابن حجر مکیؒ کو نہیں جانتے۔ یہ تو اہل علم کے یہاں معروف و مشہور علماء میں شمار کیے جاتے ہیں؟ اس لاعلمی سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ہمارے فاضل تنقید نگار کا مبلغ علم جماعت اسلامی کی بعض کتب کے مطالعہ سے زیادہ نہیں ہے۔

اس قسم کے واقعات ممکن ہے سیاسی اسلام کے مومنین کی عاقبت خراب کرتے ہوں لیکن ان حضرات کی تو ان واقعات سے عاقبت سنور جاتی ہے جو اس اسلام پر ایمان لائے ہیں جس میں رسول کی محبت جزو ایمان ہے۔

فضائل میں ضعیف احادیث چل جانا صرف علماء دیوبند کا تفرد نہیں بلکہ اس پر تو تمام محدثین کا اتفاق ہے حتیٰ کہ مولانا مودودی اور مولانا عامر عثمانی بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اگر اصول حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کی مؤلف ایک مطالعہ میں صلاحیت نہیں تھی تو وہ اپنے ہی حلقہ کی اردو کتابیں دیکھ لیتے؟ اگر ان کو مطالعہ کی فرصت ہو تو ہم مولانا عامر عثمانی صاحب کے آسانی سے مہیا ہو جانے والے ماہنامہ تجلی شمارہ جنوری و فروری ۱۹۷۲ء کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس شمارہ کے صفحہ ۵۱ پر ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے "مسند امام اعظم — بعض شبہات کا ازالہ" یہ مضمون ضرور دیکھ لیں۔ اس میں ۵۵ پر مولانا مرحوم نے توجیہ النظر۔ مقدمہ ابن صلاح۔ الرفع والتکمیل وغیرہ تمام کتب کے حوالے سے ضعیف احادیث کے بارے میں یہی بات لکھی ہے۔

۳۹ - تا - ۴۳ - پانچ دھوکے

فضائل درود کے کُل نو کرشمے لکھ کر ایک مطالعہ کے فاضل ترین مؤلف نے اُن پر نہایت

عجیب وغریب تنقیدیں کی۔ ہم نے گذشتہ سطور میں چار تنقیدوں کا رد لکھ دیا ہے ارادہ یہی تھا کہ پورے نو کرشموں پر بحث کی جاتے۔ لیکن جب ہم نے ان تنقیدوں کو بغور دیکھا تو ان کا لب لباب بس یہ نظر آیا کہ ان قصّوں میں محض درود شریف کی وجہ سے پڑھنے والے کی مغفرت ہونے اور جنّت ملنے کا ذکر ہے، حالانکہ جنت اتنی سستی نہیں ہے کہ معمولی عمل پر مل جاتے پھر جنّت میں داخلہ حساب کتاب کے بعد ہونا شریعت سے ثابت ہے اور ان قصّوں میں مرتے ہی جنت میں داخل کیئے جانے کا ذکر ہے لہٰذا یہ تمام قصّہ من گھڑت، سڑک چھاپ اور گمراہ کُن ہیں۔ اس لیے تفصیل کے ساتھ ہر کرشمہ پر بحث کرنے کے بجائے بقیہ پانچوں کرشموں پر مجموعی بحث کرتے ہیں۔ ان تمام خرافاتی اعتراضات کے جوابات ہم گذشتہ صفحات میں مدلل ومفصل دے چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ تیرھواں دھوکا۔ بعنوان خدائی انتظام میں بھی بھول چوک" اور ۳۴ واں دھوکا بعنوان "امام شافعی کی مغفرت"

یہاں اجمالی طور پر صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ معمولی نیکی پر مغفرت ہو جانے کے متعدد واقعات تو احادیث صحیحہ میں بکثرت مذکور ہیں۔ مثلاً کتے کو پانی پلا دینے پر فاحشہ عورت کی مغفرت ہو جانا صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کیا تابش صاحب ان صحیح حدیثوں کا بھی انکار کردیں گے۔؟ نیز معراج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں، عذاب میں گرفتار بہت سے گنہگاروں کو دیکھا حالانکہ یوم حساب سی پہلے دوزخ میں نہ جانا بھی روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اس قسم کے تمام واقعات کو علماء نے مثالی صورتوں پر محمول کیا ہے یعنی جو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سی آئندہ فیصلہ ہو جانے کے بعد دوزخ میں جانے والے تھے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو انکی مثالی صورتیں دوزخ میں دکھائی گیئں۔ فضائل درود شریف میں جن لوگوں کا جنّت

میں داخل ہونا مذکور ہے اس کی توجیہہ بھی یہی کی جائے گی کہ یہ لوگ حساب و کتاب کے بعد جنت میں جانے والے تھے۔ لیکن اس وقت ان کی مثالی شکلوں کو جنتی بتایا گیا۔

چوالیسؔ واں دھوکا بعنوان "حضرتِ آدم کا تقدّس خطرہ میں"

شیخ عبدالحق دہلوی مشہور و معروف محدّثین میں شمار کیئے جاتے ہیں حضرت شیخ احمد فاروقی مجدّد الفِ ثانی سرہندی کے ہم عصروں میں سے تھے۔ فن حدیث سے خاص مناسبت تھی۔ چنانچہ احادیث کی شروحات بھی آپ نے لکھی ہے۔ متعدد کتب کے مؤلف و مصنف ہیں۔ ذہن تنقیدی تھا اپنے علم کے مطابق جس کی بھی کسی بات کو وہ دین کے خلاف سمجھ لیتے اس پر بلا رو رعایت رد کرنا فرض سمجھتے تھے چنانچہ حضرت مجدّد الفِ ثانی کے ساتھ اُن کی چند باتوں میں ایک عرصہ تک اختلاف کر کے ان کا بھرپور رد کرتے رہے۔ لیکن جب خود اپنی ہی غلطی عیاں ہوگئی اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حق پر ہونا معلوم ہوگیا تو اپنی تنقید سے باز آگئے شیخ محی الدین ابن العربی بڑے پائے کے علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی بھی چند باتوں سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی تصنیف " تکمیلُ الایمان " میں بھرپور تنقید فرمائی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق کا مختصر تعارف ہم نے اس لیے کر دیا تاکہ قارئین جان لیں کہ شیخ دہلوی خوش فہمی یا عقیدت سے مغلوب ہو کر دین کی کوئی بات قبول کر لینے والوں میں سے نہیں، بلکہ اس معاملے میں بہت سخت تھے اور ہر بات کو ٹھونک بجا کر دیکھنے والوں میں سے تھے، سیرتِ رسول کے موضوع پر آپ نے "مدارج النبوۃ" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی جو آج بھی اہل علم کے نزدیک بڑی وقعت رکھتی ہے اس " مدارج النبوۃ " کے حوالہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا

ہے کہ ـــــ

جب حضرت حوّا پیدا ہوئیں تو حضرت آدم ؑ نے اُن پر ہاتھ بڑھانا چاہا۔ ملائکہ نے کہا۔ صبر کرو۔ جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کر دو۔ انھوں نے پوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار۔ درود شریف پڑھنا اور ایک روایت میں بیس۲۰ بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ (فضائل درود ص۱۶۱)

قارئین مذکورہ واقعہ کو بار بار پڑھ لیں اور بتائیں کہ اسمیں ناقابلِ تسلیم کیا بات ہے؟ تقریباً تمام دنیا خصوصًا مسلمانان عالم جانتے ہیں کہ حضرت آدم سب سے پہلے انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق فرمائی تو اس کی فطرت میں دوسری بہت سی خواہشوں کے ساتھ ہی جنسی خواہش کا تقاضہ بھی رکھا۔ ساتھ ہی دوسری خواہشات کی طرح اس جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے بھی کچھ اصول وضوابط مقرر فرمادیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی چونکہ انسان تھے اس لئے آپ میں بھی کھانے پینے کی طرح جنسی خواہش کا تقاضہ رکھا گیا تھا۔ حضرت حوّا کو آپ ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ آپ کا معلّم خود اللہ تعالیٰ تھا۔ ابھی اللہ کی طرف سے آپ کو جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ضوابط بتائے نہیں گئے تھے۔ حضرت حوّا کو دیکھ کر آپ کی فطرت میں رکھا ہوا یہ جنسی جذبہ ابھرا۔ اسی جذبہ کے تحت آپ نے ان پر ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ کونسی غیر فطری بات ہوگئی؟ شرعی اعتبار سے بھی آپ کے بارے میں کوئی غلط بات اس لئے نہیں سوچی جاسکتی کہ آپ ابھی اس اصول سے ناواقف تھے، جب اصول بتادیئے گئے تو آپ اس ارادہ سے باز آگئے۔ اس سے تو آپ کا تقدّس واضح ہوتا ہے کہ باوجود ایک فطری تقاضا غالب ہونے کے، شرعی حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس کی تکمیل نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ پڑھ کر تابش صاحب کو آدم علیہ السلام کا تقدّس کیوں خطرہ میں نظر آرہا ہے۔ یہ بات ہم بالکل نہ سمجھ سکے غالبًا قارئین بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہی ہوں گے۔

اب ہم قارئین کے سامنے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

"یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ جو آدمؑ سے ظہور میں آئی تھی۔ بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریض کے زیر اثر اُبھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔

("تفہیم القرآن ص ۱۳۳ ج ۳")

یہ اقتباس کسی غیر معروف کتاب کا نہیں بلکہ تفہیم القرآن کا ہے اس کے مصنف بھی کوئی مجہول آدمی نہیں بلکہ مولانا ابُوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ جو ایک مخصوص طبقہ میں" مجدد کامل" کا درجہ رکھتے ہیں۔ تابش صاحب کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی نظروں سے تفہیم القرآن کی یہ عبارت نہ گذری ہو۔ اس چھوٹی سی عبارت میں ہم سب کے جدّا مجد اور اللہ کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں، بشری، کمزوری فوری جذبہ شیطانی تحریض، ذہول کا طاری ہونا۔ ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہونا اور معصیت یعنی گناہ کی پستی میں جا گرنا۔ جیسے توہین آمیز الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو کسی بھی طرح ایک نبی کے متعلق استعمال کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اہل سنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے تعجب ہے کہ جناب تابش صاحب کو تفہیم القرآن کی ایک ایسی صریح تنقیصی عبارت پڑھ کر جس میں کسی بھی قسم کی تاویل و منطق کی گنجائش نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام کا تقدّس خطرہ میں نظر نہیں آیا۔ لیکن حضرت شیخؒ کی تبلیغی نصاب پر ہر حال میں تنقید ہی کرنا طے کر لیا گیا۔ تو ایک ایسی عبارت میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کا تقدس خطرہ میں نظر آ گیا جس میں نبی کی شان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ آدمی گروہی عصبیت میں مبتلا ہو کر

کس حد تک گر سکتا ہے ؟

محترم تابش صاحب نے حضرت شیخ رح کے جانشین اور دوسرے ہم خیال علماء سے حضرت شیخ رح کے نقل کردہ واقعہ پر قرآن وسنت سے سند مانگی ہے، اور یہ بات انھوں نے ایسے انداز میں لکھی ہے کہ گویا ان کو واقعہ کے بے سروپا ہونے پر پورا یقین حاصل ہے خود کو علم کے بہت اونچے مقام پر تصوّر کرلینا قرآن وحدیث کے مطالعہ کا دعوی کرنے والے کیلئے قطعی مُستحسن نہیں۔ قرآن تو کھلے الفاظ میں کہتا ہے "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ "۔

بہر حال ہمارے نزدیک تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا "مدارج النبوۃ" میں یا حضرت شیخ الحدیث رح کا "فضائل درود شریف" میں اس واقعہ کو لکھدینا کافی ہے لیکن تابش صاحب جیسوں کو اگر ان اکابر علماء پر اعتماد نہیں ہے تو ہم ان کی آگاہی کے لئے کہتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" کی دوسری فصل میں تیسری روایت علامہ ابن الجوزی کی کتاب "صلوۃ الاحزان" سے نقل فرمائی ہے، اسمیں حضرت آدم علیہ السلام کا یہی واقعہ درج ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح۔ علامہ ابن جوزی رح اور حضرت تھانوی رح سب ہی کا شمار معتبر علماء ومحدثین کے زمرے میں ہوتا ہے۔ کیا تابش صاحب جوش غضب میں آکر ان اکابر کی کتابوں کو بھی "فٹ پاتھ" پر بکنے والی میلادی کتب سے تشبیہہ دینے کی جرأت کرسکیں گے ؟

۴۵ واں دھوکا، بعنوان

تبلیغی نصاب اپنے مؤلف کی نظر میں

مؤلف ایک مطالعہ نے اس عنوان کے تحت جو بحث فرمائی ہے وہ ان کی فریب

کاری وخیانت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اسمیں موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ ... خود حضرت شیخؒ کے نزدیک تبلیغی نصاب کی وہ قدر دقیمت نہیں ہے جو پڑھنے والوں کے نزدیک ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

" یہ عجیب بات ہے جب ہم نے تبلیغی نصاب کے تمام حصّوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے مؤلف کی نظر میں اس کی وہ قدر د قیمت نہیں ہے جو اس کے پڑھنے والوں کی نظر میں ہے۔" (ایک مطالعہ ص ۹۹)

اب ذرا اس دعویٰ کے ثبوت میں دلیل کے نام سے جو چیز پیش کی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

" محترم مؤلف نے خدا جانے کس جذبے کے تحت یہ بھی کیا کہ کسی روایت کا عربی متن پیش کر کے بالکل اس کے ہی نیچے عربی زبان میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اسکا راوی ساقط الاعتبار ہے۔ اس کے راوی کو فلاں فلاں اور فلاں نے غیر مستند ٹھہرایا ہے یا فلاں فلاں ائمہ و محدثین نے موضوع قرار دیا ہے اور غریب گردانا ہے وغیرہ .... مگر روایت کے بالمقابل جو اسکا ترجمہ دیا گیا ہے اسمیں اس کا ترجمہ نہیں شامل کیا گیا اور نہ اس قسم کا کوئی ذکر ہی موجود ہے ....." الخ (ایک مطالعہ ص ۱۰۰)

ھم بار بار اپنے اس تاثر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مؤلف ایک مطالعہ کو جہاد کی صرف باتوں میں بڑی مہارت حاصل ہے لیکن قرآن وحدیث میں وہ سطحی سا ہی علم رکھتے ہیں۔

یہاں بھی اور دوسری متعدد جگہوں پر بھی انہوں نے لکھا ہے کہ آخر شیخ کو ضعیف حدیث لکھنے کی کیا ضرورت تھی اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بالکل ہی ناقابلِ اعتبار ہے۔ ماہرین حدیث کے نزدیک یہ خیال کہاں تک درست ہے؟ یہ جاننے کے لیے مولانا عامر عثمانی مرحوم کی یہ عبارت کافی ہوگی۔ مولانا ایک دورہ کے طالب علم کے بعض اشکالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" بھائی کیا آپ بھی عوام کا سا اندازِ فکر اختیار کریں گے "ضعیف" اور "موضوع" میں فرق ہی نہ کر سکیں؟ ..... کسی سند کا ضعیف ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ حدیث من گھڑت ہے بلکہ صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ اسکی صحت میں شک کی گنجائش ہے گویا امکان صحت کی قطعی نفی نہیں۔ تقریباً تمام ہی کتب فن (تدریب، توجیہ النظر، مقدمہ ابن صلاح۔ الرفع والتکمیل وغیرہ) میں آپ یہ مضمون تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ حدیث کی سند اگر ضعیف ہے تو اسے ضعیف الاسناد بے شک کہا جائے گا لیکن اسے موضوع کہہ کر اس کے وجود ہی کا انکار نہ کیا جائیگا۔ اور جس صورت میں کوئی خارجی دلیل و شہادت اسکے خلاف قائم نہ ہو' وہ باوجود ضعف کے قابلِ قبول ہوگی۔ حافظ ابنِ قیمؒ تو اس بات کو ایک مستقل "اصل" کی حیثیت سے لکھتے ہیں۔ الاصل الرابع الاخذ بالمرسل والضعیف اذا لم یکن فی الباب شیٔ یدفعه (اعلام الموقعین ص۱۱) چوتھی اصل حدیث مرسل اور حدیث ضعیف سے اخذ کرنے کے بارے میں جبکہ اس باب میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو تغلیط کرنے والی ہو (ماہنامہ تجلی دیوبند، شمارہ جنوری وفروری ۱۹۷۲ء]

"مولانا عامر عثمانی" مرحوم اگرچہ فاضل دیوبند تھے، لیکن علماء دیوبند کے مقابلہ میں جماعت اسلامی کے بہت قریب تھے اور جماعت اسلامی کی وکالت کا کام بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ خود صرف فضائل ہی میں نہیں، بلکہ مطلقاً یعنی احکام وغیرہ میں بھی ضعیف حدیث کو بعض شرائط کے ساتھ معتبر تسلیم کررہے ہیں اور تمام محدثین کا بھی یہی مذہب نقل کر رہے ہیں۔ جن کتابوں کے حوالے مولانا مرحوم نے دیئے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ ان کا نام بھی تابش مہدی صاحب نے نہ سنا ہوگا۔

بہر حال جناب مولانا عثمانی مرحوم کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث کو تمام ہی اہل فن نے معتبر مانا ہے۔

حضرت شیخ نے تبلیغی نصاب کی ہر حدیث کے نیچے اس حدیث کی پوری تحقیق لکھی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس حدیث کو کس نے ضعیف اور کس نے صحیح قرار دیا ہے۔ کس راوی کے متعلق اس کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے میں کون سے محدث نے کیا رائے ظاہر کی ہے؟ حتیٰ کہ حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کی وجہ تک بتادی ہے لیکن فاضل تنقید نگار اس پوری تحقیق سے صرف ایک یا دو جملے اپنے مطلب کے درمیان سے لیتے گئے ہیں۔ اس عنوان کے تحت انھوں نے کل ستر حدیثیں لکھی ہیں، لیکن ایک بھی حدیث کی وہ مکمل تحقیق نہیں نقل کر سکے جو حضرت شیخ نے تحریر فرمائی ہے، بلکہ چند جملے لیتے گئے۔

"گوبلز" جھوٹے پروپگنڈہ میں کافی مشہور ہے اس کا قول تھا کہ جھوٹ کو اتنی کثرت سے پھیلاؤ کہ لوگ اس کو سچ سمجھنے لگیں۔ ہمارا خیال تھا کہ جھوٹ کے معاملہ میں گوبلز" کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکے گا۔ لیکن تبلیغی نصاب ایک مطالعہ پڑھ کر

اپنا خیال بدل کر یقین کر لینا پڑا کہ۔ اللہ کی اس وسیع کائنات میں بہت سارے ماہرینِ فن ہیں جو گو بلز کو بھی مات دے سکتے ہیں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ مؤلف ایک مطالعہ نے حضرت شیخ رح اور جماعتِ تبلیغ کی مخاصمت کے جذبے سے مغلوب ہو کر وہ سب کچھ لکھ دیا جسے علم و تنقید تو کسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا۔ چاہے اس کو اتہام کا نام دے لیجئے یا حقیقت سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کہہ لیجئے۔

اب ایک سوال باقی رہتا ہے کہ حضرت شیخ رح نے احادیث کے متعلق تحقیق صرف عربی میں لکھنے پر اکتفاء کیوں کی حدیث کی طرح اس تحقیق کا اردو ترجمہ بھی کیوں نہیں لکھا؟

یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک سے گفتگو اسکے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی کیجائے گی۔ جس طرح علماء کی مجلس میں عامیانہ باتیں کرنا عیب کی بات ہے اسی طرح عوام کی مجلس میں بہت اونچی عالمانہ بحث شروع کر دینا بھی غیر مناسب حرکت ہے۔ حدیث پاک میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے۔ راوی حضرت انس رض کہتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر اھلہ کمقلد الخنازیر الجواھر واللؤلؤ والذھب۔

رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف ص۳۴)

فاضل محشی حدیث کے الفاظ " واضع العلم علی غیر محلہ " پر لکھتے ہیں۔

بان یحدث من لا یفھمہ او من یرید منہ غرضاً دنیویاً او ھو لا یتعلمہ للہ ..... ترجمہ علم کو بے موقع رکھنے (کی جو ممانعت حدیث میں آئی ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ) علمی بات چیت ایسے شخص سے کی جائے جو اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ یا اس علم سے کوئی دنیوی غرض ہو۔ یا جو شخص اللہ کے لئے علم حاصل نہ کرے۔

حضرت شیخ رح نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے حدیثوں کے متعلق جو تحقیق لکھی وہ صرف

عربی میں لکھی، تاکہ اہل علم اس سے استفادہ کر سکیں کہ وہی اس کے اہل ہیں۔ عوام چونکہ اتنی باریک بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے حضرت شیخ رح نے منشائے نبوی کے عین مطابق اس علمی و تحقیقی بحث کا ترجمہ نہیں فرمایا۔

فضائل صدقات کے بارے میں فریب کاریاں

۴۶ واں دھوکا بعنوان "بے محل و گمراہ کن روایتوں کا مجموعہ"

مؤلف ایک مطالعہ کا یہ عنوان ہم نے اس نیت سے پڑھا کہ شاید انھوں نے فضائل صدقات کی، روایتوں پر محدثانہ بحث کی ہوگی۔ جیسا کہ عنوان سے معلوم ہو رہا ہے لیکن اخیر تک پڑھ لینے کے بعد بھی ہمیں حدیث نام کی ایک چیز بھی نہیں ملی۔ انھوں نے الزام تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر بڑا سنگین لگادیا کہ [لیکن (فضائل صدقات کے) مطالعہ سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب اس حصہ کو بھی اپنی طبیعت و مزاج کے مطابق ایسی واہی اور بے سروپا روایات اور قصے کہانیوں سے پاک نہیں رکھ سکے۔" (ایک مطالعہ ۱۱۶]

اس سنگین الزام کو ثابت کرنے کیلئے ضروری تھا ناقد محترم فضائل صدقات سے چند احادیث پیش کرکے ان کا موضوع واہی اور بے سروپا ہونا۔ اپنی عقل کی کسوٹی پر نہیں۔ بلکہ اصول حدیث کے فنی معیار کے ذریعہ ثابت فرمادیتے۔ واقعات و قصص کے بارے میں ہم مولانا مودودی مرحوم کی تحقیق "خلافت و ملوکیت" کے حوالے سے لکھ چکے ہیں۔ قصوں کی حیثیت بھی ہم بتا چکے ہیں کہ یہ صرف عبرت و نصیحت کے لیے ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت فن تاریخ کی ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ فن تاریخ میں حدیث کے فن کیطرح

زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تاریخ میں بھی وہی شرائط لگائے جائیں جو حدیث کو پرکھنے کے لئے لازمی ہیں، تو پورا فنِ تاریخ ہی غیر معتبر و ناقابلِ اعتبار ہو جائے گا۔

لیکن ناقدِ محترم نے فضائل صدقات کی روایات پر فنی بحث کرنا تو درکنار سرے سے روایات ہی پر گفتگو نہیں کی۔ بلکہ شیخ پر موضوع، واہی اور بے سروپا روایات جمع کرنے کا الزام لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اور صرف کتاب کے قصوں پر بحث شروع کردی۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قصوں کو وہ اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھ رہے ہیں نہ کہ شریعت کی۔ حالانکہ کسی کی عقل کسوٹی نہیں بن سکتی۔ اگر عقل ہی کو معیار بنایا جائے تو دین کا بڑا حصہ غلط اور باطل ہو جائے گا۔

۴۷۔ وال دھوکا بعنوان "راہب کا عمل قابلِ تحسین انداز میں"

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات کی چھٹی فصل کا عنوان دیا ہے۔ "زھد و قناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب میں۔" اس فصل میں چودھویں یہ حدیث ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میں تاجر بنوں اور مال جمع کروں۔ بلکہ یہ وحی بھیجی ہے کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہو اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ یہاں تک کہ (اسی حالت میں) تم کو موت آجائے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ عبادت کے واقعات جو احادیث میں آئے ہیں وہ لکھے ہیں۔ پھر صحابۂ کرام اور اکابرامت کے اس

قسم کے واقعات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حضرات نے عبادات میں انتہائی مشقتیں اُٹھایئں اور مال و دولت سے بے نیازی کا برتاؤ کیا۔ اسی حدیث کی شرح کے ضمن میں صؔ ۲۹ صؔ ۴۲۸ پر ایک راہب کا قصّہ لکھا جو حضرت عبدالواحد بن زید رح کو پیش آیا تھا۔ اس راہب نے اپنے راہب ہونے کی نفی کرتے ہوئے حضرت عبدالواحد رح سے حقیقی راہب کی یہ صفات بتائی کہ ۔ ۔۔۔ راہب وہ شخص ہوتا ہے۔ جو (۱) اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرتا ہے (۲) اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو۔ (۳) اسکی بلاؤں پر صبر کرتا ہو۔ (۴) پھر اس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو۔ (۵) اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہو۔ (٦) اس کی عظمت کے سامنے تواضع سے رہتا ہو۔ (۷) اس کی عزّت کے مقابلہ میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو (۸) اس کی قدرتِ کاملہ کا اطاعت کرنے والا ہو (۹) اس کی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو۔ (۱۰) اس کے حساب اور اس کے عذاب کی ہر وقت فکر میں رہتا ہو۔ (۱۱) دن میں روزہ رکھتا ہو (۱۲) رات کو بیدار رہتا ہو۔ (۱۳) جہنّم کے خوف نے اور میدانِ حشر کے سوال نے اس کی نیند اڑادی ہو۔ جسمیں یہ باتیں ہوں وہ راہب ہے۔ میں تو ایک ہڑ کایا ہوا کُتّا ہوں اسوجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں (حضرت عبدالواحد کہتے ہیں)۔ کہ میں نے اس سے پوچھا کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی بڑائی کو جانتے ہیں پھر بھی اس سے ان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ صرف دنیا کی محبت نے اور اس کی زیب و زینت نے اُن کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دنیا گناہوں کا گھر ہے۔ سمجھدار اور عاقل وہ شخص ہے جو اس کو اپنے دل سے پھینکدے اور اللہ جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جائے اور ایسے کام اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے قریب کردے۔

(فضائل صدقات صؔ ۲۹ ۔ ۴۲۸)

قارئین سے گذارش ہے کہ بتائیں ..... راہب کی بتائی ہوئی صفات میں سے کونسی صفت اسلام کے منافی ہے۔ منافی ہونا تو دور کی بات ہے خود اسلام بھی ان صفات کو پسند کرتا اور اپنے ماننے والوں سے ان کا مطالبہ کرتا ہے، خوفِ خدا، تعظیم کبریائی۔ مصائب پر صبر، تقدیر پر راضی ہونا، شکر کرنا، تواضع اختیار کرنا۔ عاجزی کرنا۔ حساب و کتاب اور عذاب کا فکر، روزہ۔ شب بیداری، دوزخ کا ڈر، حشر کے سوال کا خوف، یہ تمام ایسی صفتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں لیکن مؤلف ایک مطالعہ کو اس میں بھی قابلِ تنقید چیزیں مل گئیں..... آپ لکھتے ہیں۔

[رہبانیت اسلام کی ضد ہے اسلام میں اسکی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔ داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" اسلام میں رہبانیت نہیں ہے (ایک مطالعہ ص۱۱۷)] راہب کا قصہ نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

> قارئین دیکھیں اس میں جو کچھ تعریف راہب نے رہبانیت کی کی ہے۔ اس پر مؤلف محترم نے اپنی طرف سے ایک لفظ نہیں لکھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہی نتیجہ نکالا جائیگا کہ راہب نے جو کچھ کہا محترم مؤلف اس سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح متفق ہیں، ان کی خواہش ہے کہ تبلیغی نصاب کے عام قارئین بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو اس راہب کا تھا۔ (ایک مطالعہ ص۱۱۸)

بیشک حضرت شیخ رح اور تمام علماء راہب کی بیان کردہ صفات سے پوری طرح متفق ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان اپنی طاقت کے مطابق یہ صفات اپنے اندر کسی نہ کسی درجہ میں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ اسلام میں بھی یہ صفات مطلوب اور کمالِ ایمان کے لئے ضروری

ہیں۔ ناقدِ محترم کو چاہیئے کہ اِن صفات کا اسلام کے خلاف ہونا قرآن و حدیث سے ثابت فرمادیں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اگر ہمیں بحث لمبی ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو قرآن و حدیث سے اِن صفات کا مطلوب ہونا پوری وضاحت کے ساتھ بتادیتے۔

اب ذرا عنوان پر غور کر لیا جائے۔ عنوان ہے۔ راہب کا عمل قابلِ تحسین انداز میں اگر شیخ الحدیثؒ نے کسی راہب کی چند باتوں کو قابلِ تحسین انداز میں ذکر کر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے تو قرآن پاک کی اس آیت پر بھی غور کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نصاریٰ کو محبت کے اعتبار سے مسلمانوں کے قریب بتاتے ہوئے اس کی وجہ بتاتے ہیں۔

ذَالِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبّر نہیں کرتے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

دیکھیے خداوند تعالیٰ بھی اس جگہ راہبوں کا ذکر قابلِ تحسین انداز میں فرمارہے ہیں۔ بتایئے اللہ کے بارے میں کیا فتویٰ صادر ہوتا ہے؟

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس سے وہ رہبانیت مراد ہے جس میں شریعت کا کوئی حکم بلا وجہ ٹوٹ رہا ہو۔ پھر چاہے وہ حکم فرض ہو، سنّت ہو یا مستحب ہو۔ لیکن کسی دینی غرض سے ایسا کیا جائے تو وہ مذموم نہ ہو گا۔ چنانچہ فتنہ کے زمانے میں جنگلوں میں روپوش ہو کر اپنے ایمان کی حفاظت کا حکم خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

۴۸ واں دھوکا بعنوان "صحابہ کرام کو چیلنج"

فضائل صدقات میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابومسلم خولانیؒ نے ایک کوڑا اپنے گھر کی مسجد میں لٹکا رکھا تھا اور اپنے نفس کو خطاب کرکے کہا کرتے کہ اُٹھ کھڑا ہو میں تجھے (عبادت میں) اچھی طرح گھسیٹوں گا۔ یہاں تک کہ تو تھک جائیگا میں نہیں تھکوں گا۔ اور جب ان پر کچھ سستی ہوتی تو اس کوڑے کو اپنی پنڈلیوں پر مارتے اور فرماتے کہ یہ پنڈلیاں پٹنے کے لیے میرے گھوڑے کی نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ یہ بھی کہا کرتے کہ صحابۂ کرامؓ یوں سمجھتے ہیں (کہ جنت کے سارے درجے) وہی اڑا کرے جائیں گے۔ نہیں ہم ان سے (ان درجوں) میں اچھی طرح مزاحمت کریں گے۔ تاکہ ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھی اپنے پیچھے مردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ (فضائل صدقات ص ۳۱-۳۲)

اس قصے پر ان الفاظ میں تنقید کی گئی ہے۔

کاش محترم مؤلفؒ بقیدِ حیات ہوتے تو راقم الحروف ایک طالب علم کی حیثیت سے دریافت کرتا کہ حضرت! مسلمانوں کو یہ جرأت کب سے ہوگئی کہ وہ صحابۂ کرام کے مقام و درجات کو چیلنج کرسکیں، اب تک تو ہمیں یہی معلوم تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام والتسلیم کے بعد تمام ابنائے آدم میں صحابۂ کرام ہی ہیں جن میں سے کسی ایک کی ہمسری کسی غیر صحابی کے لیے ناممکن ہے۔ کیا یہ صحابۂ کرام کی عظمت و تقدس پر حملہ نہیں ہے؟ کیا ایسا شخص بھی مومن کہلانے کا حق رکھتا ہے جو دانستہ طور پر صحابۂ کرام کی توہین و تحقیر کرے؟ (ایک مطالعہ ص ۱۱۹)

حضرت ابومسلم خولانی کا مذکورہ واقعہ بغور نہ بھی پڑھا جائے بلکہ صرف سطحی طور پر دیکھ لیا جائے تب بھی پڑھنے والا اس سے یہی مفہوم لے گا کہ وہ اپنے نفس کو چیلنج کرتے نہ کہ صحابۂ کرام کو۔ صحابۂ کرام وہاں موجود نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کو چیلنج کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ چیلنج حاضر شخص ہی کو کیا جاتا ہے، یا پھر اس غائب کو جس تک چیلنج کے الفاظ پہونچانے کا کوئی ذریعہ ہو۔ یہاں دونوں ہی باتیں مفقود تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت کی وجہ سے صحابۂ کرام کو عبادات میں مشقتیں برداشت کرنا اور اپنے نفس کا علاج کرنا آسان تھا۔ لیکن بعد والوں کو تزکیۂ نفس کے لیے سخت مجاہدات کرنا ناگزیر ہوگیا۔ حضرت مسلم خولانی بھی نفس کا علاج کرتے ہوئے شدید ریاضتیں کرتے تھے۔ جب نفس سست ہو جاتا تھا تو حضرات صحابۂ کرام کے واقعات عبادات کو یاد کر کے نفس کو مجاہدہ پر برانگیختہ کیا کرتے تھے۔

قصے کے یہ جملے پھر دیکھ لیے جائیں (۱) صحابۂ کرام یوں سمجھتے ہیں (کہ جنت کے سارے درجے) وہی اُڑا کر لے جائیں گے۔

(۲) نہیں - ہم ان سے (ان درجوں میں) اچھی طرح مزاحمت کریں گے۔ پہلے جملہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ "وہ صحابۂ کرام کو جنت کے تمام درجات کا مستحق سمجھتے تھے۔ دوسرا جملہ بتا رہا ہے کہ صحابۂ کرام نے اپنے اعمال کی وجہ سے خود کو جنت کے تمام درجات کا حقدار بنا لیا تھا۔ ہم بھی مجاھدوں کے ذریعہ کچھ درجات حاصل کریں گے۔

بہر حال حضرت مسلم خولانی کا یہ فعل اپنے نفس کے علاج کے لیے تھا جو اس کو صحابۂ کرام کے چیلنج پر محمول کرے وہ دین کے مزاج اور اس کی روح سے ناواقف سمجھا جائیگا.... مؤلف ایک مطالعہ کا آخری جملہ بڑا ذو معنی ہے معلوم نہیں کہ وہ اسکے ذریعہ حضرت مسلم خولانی پر کفر کا حکم لگا رہے ہیں یا حضرت شیخ پر..... ؟

۴۹ واں دھوکا بعنوان "جنّت کی ناقدری"

اِنسان جو کچھ نیک عمل کرتا ہے تو اس کی نیتیں مختلف ہوتی ہیں بعض لوگ نیک کہلانے کے لیے نیکی کرتے ہیں، اسکو رِیَاء کہتے ہیں جس کو حدیث میں شرکِ خفی کہا گیا ہے بعض حضرات جنّت حاصل کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ صالحین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے لئے عمل کرتے ہیں یہ مقربین کی جماعت میں داخل ہیں اور یہی لوگ سب سے بلند مرتبہ والے ہیں۔ جنّت کی طلب میں عمل کرنا بھی اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیے جانے والے عمل سے بہر حال کم درجہ کا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد یہ واقعہ پڑھئے۔

" حضرت ممشاد دینوری رحؒ کے انتقال کے وقت ایک بُزرگ ان کے پاس بیٹھے تھے وہ اُن کے لئے جنّت کے ملنے کی دعا کرنے لگے، حضرت ممشادؒ ہنسے اور فرمایا کہ تیس برس سے جنّت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی۔ مَیں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ (فضائل صدقات ص۴۴۲)

حضرت ممشادؒ چونکہ اللہ کی رضا کے لیے عبادت کرنے والوں میں سے تھے، اور اللہ کی رضا یقیناً جنّت سے بھی بڑی چیز ہے۔ اس لیے انھوں نے جنّت کی طرف نہیں بلکہ جنّت والے کی طرف پوری عمر تک توجہ مبذول رکھی۔ مؤلف ایک مطالعہ کی فریب کاری ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخؒ نے مذکورۂ بالا واقعہ لکھ کر قوسین میں یہ جملہ بھی لکھا ہے۔ "میں تو جنّت کے مالک کا مشتاق ہوں"۔ اس جملے نے یہ بات واضح کردی تھی کہ حضرت ممشادؒ جنّت اور

تمام چیزوں سے اعلیٰ وافضل ذات ..... یعنی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق میں مستغرق رہتے تھے۔

مؤلف ایک مطالعہ حضرت ممشادؒ کا واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔ [" قارئین اس عبارت کو مکرر پڑھیں اور غور کریں کہ کیا اس سے انعام خداوندی کی تحقیر نہیں ثابت ہوتی ؟ اگر جنت اس درجہ غیر اہم چیز تھی تو خدا نے سب سے بڑے انعام کے طور پر عطا کرنے کا وعدہ کیوں فرمایا ۔ دراصل یہ خانقاہی تصوف کے چونچلے ہیں۔ اس قسم کے لاکھوں واقعات متصوفانہ کتابوں میں موجود ہیں جنمیں مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنے کے غیر معمولی سامان فراہم ہیں۔ " (ایک مطالعہ) ص ۱۲۰

محترم ناقد نے جنت کو سب سے بڑا انعام تو لکھ دیا۔ لیکن دلیل پیش نہیں فرمائی؟ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑا انعام ہے، جس کے سامنے جنت اور اسکی تمام نعمتیں ہیچ در ہیچ ہیں۔ لیکن ناقد محترم کی طرح ہم اپنے دعویٰ کو بلا دلیل ہرگز نہیں پیش کریں گے، دلیل ملاحظہ ہو۔ "وعن صہیب عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالَ اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ یقول اللہ تعالیٰ تریدون شیئاً ازیدکم فیقولون الم تبیّض وجوھنا الم تدخلنا الجنۃ وتنجّنا مِن النار قال فیرفع الحجاب فینظرون الیٰ وجہ اللہ فما اُعطوا شیئاً احب الیھم من النظر الیٰ ربھم ثم تلا للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ "۔ (رواہ مسلم ص۵۰ و ص۵۰۱ (مشکوٰۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ)

حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے کیا تم کو ایک چیز مزید عطا کر دوں) وہ بندے عرض کریں گے آپ نے ہمارے چہرے روشن کیے۔ (یعنی سرخروئی اور خوب روئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت

میں داخل کیا (اب اس کے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکا یک
حجاب اٹھ جائیگا یعنی ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔) پس وہ رُوئے حق
اور جمالِ الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے۔ پس ان کا حال یہ ہوگا۔ (اور وہ محسوس کرینگے)
کہ جو کچھ اب تک انفیس ملا تھا۔ اُن سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لیے
یہی دیدار کی نعمت ہے۔ یہ بیان فرما کر آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی
"للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ" جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی
بندگی والی زندگی گذاری، ان کے لیے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت وما فیہا) اور اس
پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدار حق)

دیکھیے اس حدیث نے بغیر کسی ابہام کے بتا دیا کہ دیدار خداوندی کے
مقابلہ میں جنت اور اس کی تمام نعمتیں کمتر نظر آئیں گی تو اگر کسی بندہ کو دنیا ہی میں یہ
مقام حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق میں اسے جنّت کی طرف التفات
نہ ہو، تو اس میں کونسی بات گمراہ کُن یا خلاف شرع ہے؟

لیکن یہ مقام خانقاہی تصوّف ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کے تصور ہی سے
ناقدِ محترم کو بخار چڑھ آتا ہے۔ قارئین کو ہم نے حدیث کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ یہ خانقاہی
تصوف کے چونچلے نہیں بلکہ ایک بلند و بالا مقام ہے، جس تک سیاسی اسلام والوں کی
رسائی ناممکن ہے۔

وہ کونسے متصوفانہ واقعات ہیں جن میں مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کے غیر معمولی سامان
فراہم ہیں؟ اگر لاکھوں میں سے دو ہی چار واقعات کسی مستند متصوفانہ کتاب سے
نقل کر کے ان کا گمراہ کن ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا جاتا تو ہم مؤلف ایک مطالعہ کے مشکور ہوتے۔

۵۰ واں دھوکا بعنوان "تین قصّے"

پہلا قصہ شیخ ابو یعقوب سنوسیؒ کے ایک مرید کا ہے کہ اس نے ایک روز پہلے ہی اپنے مرنے کی پیشنگوئی مع وقت کے دیدی تھی اور اس کے مطابق ہی ہوا۔ جب اسے غسل و تکفین کے بعد قبر میں لٹایا گیا تو اس نے کہا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔

اس قصے پر ریمارک دیتے ہوئے تنقید نگار لکھتے ہیں۔

> جبکہ قرآن وحدیث سے ہمیں یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ کون کب مرے گا۔؟ یہ صرف اللہ ہی کے علم میں ہے جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔" (ایک مطالعہ ص۱۲۱)

موت کے صحیح وقت کے علاوہ بارش کا وقت، شکم مادر میں لڑکا یا لڑکی ہونے کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ سورۂ لقمان آیت ۳۴ میں پانچ چیزوں کی نسبت خاص اللہ کے علم کی طرف کی گئی ہے۔ ان میں سے تین یہی ہیں جو اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ اور بے شک ان چیزوں کا یقینی علم اللہ ہی کو ہے۔ اس کے خلاف مسلمان کا عقیدہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن اس کے باوجود دیکھا گیا ہے کہ ماہرین موسمیات بارش کی پیشنگوئی مع وقت کے کردیتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر بھی پہلے ہی خبر دیدیتے ہیں کہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی؟ حتیٰ کے بعض ڈاکٹر اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ وہ مریض کی موت کا وقت تک بتادیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اور ماہرین موسمیات و

ڈاکٹر وغیرہ کے علم میں یہ فرق ہے کہ اللہ کا علم بلا واسطہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کے علم میں سائنسی آلات کا واسطہ ہوتا ہے ۔ اللہ کا علم یقینی اور قطعی ہوتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا ۔لیکن ان لوگوں کا علم ظنی و تخمینی ہوتا ہے اس لئے کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے ۔

تو جبکہ ایک کافر ڈاکٹر یا ماہر موسمیات، موت کے وقت ۔عورت کے شکم میں لڑکا یا لڑکی ہونے کی خبر یا بارش ہونے کی اطلاع قبل از وقت سائنسی آلات کی مدد سے دے سکتا ہے، تو اولیا ء اللہ پر ان کی موت کا وقت منکشف ہو جانا کیوں ممکن نہیں ہو سکتا ؟ جس طرح سائنسی آلات ان چیزوں کو معلوم کرنیکا ایک ظاہری ذریعہ ہے اسی طرح کشف و الہام بھی ایک باطنی ذریعہ ہے۔

دوسرا قصّہ ایک بزرگ کے مرید کی موت کا ہے کہ غسل دیئے جانے کے وقت اس نے ان بزرگ کا انگوٹھا پکڑ لیا ۔ اور تیسرا قصّہ ابن جلاءؒ کے والد کی وفات کا ہے جب ان کی لاش نہلانے کے لئے تختہ پر رکھی گئی تو وہ لاش ہنسنے لگی۔ یہ تینوں قصّے فضائل صدقات ص۴۷۶ سے لئے گئے اور ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ۔

[جب ہم صحابۂ کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگیاں اس قسم کے عجائب اور کرشموں سے خالی ملتی ہیں] (ایک مطالعہ ص۱۲۱)

اگر مؤلف ایک مطالعہ جماعت اسلامی کے لٹریچر کے علاوہ کوئی معتبر کتاب صحابۂ کرام کی سیرت پر پڑھتے تو یقیناً ان کو صحابہ کی زندگیوں میں بھی اس قسم کے، بلکہ اس سے کئی درجہ بلند واقعات مل جاتے ۔ زیادہ نہیں تو فضائل صدقات ہی کو آنکھیں کھول کر پڑھ لیا ہوتا ۔ اسمیں ص۴۷۲ پر صحابہ کرام ہی کی موت کے واقعات سے ابتداء ہوئی ہے ۔ اور پھر شہداء اور اولیاء کا زندہ ہونا تو قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ ترجمہ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کو مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

(ترجمہ: مولانا مودودی)

جس طرح میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے مرنا شہادت ہے۔ اسی طرح اپنے نفس سے لڑتے ہوئے مرنا بھی شہادت ہے۔ بیہقی میں حضرت فضالہؓ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ الخ مجاھد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے (مشکوۃ ص۱۵)

۵۱ واں دھوکا بعنوان۔ "ناطقہ سر بگریباں ہے"

بطور تمہید تابش مہدی لکھتے ہیں۔

[تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ سیّد الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیام اس کے نبیوں تک پہنچانے پر مامور تھے۔ اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا، اور ہمارے ہادی و رہبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے ان کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اور اسی وجہ سے آپ خاتم النبیین کہلاتے ہیں۔ تو دنیا میں آپ (حضرت جبرئیلؑ) کی پیام رسانی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ (ایک مطالعہ ص۱۲۲)]

کچھ سطروں کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نظیر میں پیش کیا ہے جس میں شیطان نے آپ کو بہکانے کی کوشش کی تھی اور خود کو

جبرئیلؑ ظاہر کیا تھا۔ یہ تمام بحث صرف حضرت شیخؒ کے نقل کردہ واقعہ کو رد کرنے کے لئے کی جارہی ہے۔ وہ واقعہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

حسن بن حییؒ کہتے ہیں کہ میرے بھائی علی کا جس وقت انتقال ہوا۔ (فضائل صدقات) میں جس وقت کے بجائے جس رات میں انتقال ہوا ہے۔ م) انھوں نے مجھے آواز دے کر پانی مانگا۔ میری نماز کی نیت بندھ رہی تھی، میں سلام پھیر کر پانی لیکر گیا وہ فرمانے لگے میں تو پی چکا ہوں۔ میں نے کہا آپ نے کہاں سے پی لیا۔ گھر میں تو میرے اور آپ کے سوا کوئی اور ہے نہیں۔ ؟ کہنے لگے حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی پانی لائے تھے۔ وہ مجھے پانی پلا گئے اور یہ فرماگئے کہ تو تیرا بھائی ان لوگوں میں ہیں جن پر حق تعالیٰ شانہٗ نے انعام فرما رکھا ہے۔ (فضائل صدقات ص۴۷۹)

فضائل صدقات کا یہ قصہ اور ناقد محترم کی تنقید دونوں ناظرین کے سامنے ہیں کیا اس تنقید اور واقعہ میں کچھ مطابقت ہے ؟ واقعہ سے جبرئیل علیہ السلام کی آمد۔ پانی پلانا۔ اور علیؒ کی بشارت یا خبر دینا معلوم ہو رہا ہے لیکن اس پر تنقید کی جارہی ہے پیام رسانی (وحی) لانے کے مفروضہ پر۔؟

بیشک جبرئیل علیہ السلام کا وحی لیکر دنیا میں تشریف لانے کا سلسلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منقطع ہوگیا۔ یہ عقیدہ اپنی جگہ بالکل مسلّم ہے لیکن فضائل صدقات کے قصہ میں وحی لیکر آنا تو کہیں بھی مذکور نہیں ہے ؟ بلکہ بشارت سنانے کا ذکر ہے۔ حضرت جبرئیلؑ کی دنیا میں آمد کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا تو قرآن میں بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (الآیۃ)

(سورۃ قدر) ”پ ۳۰“ ترجمہ: فرشتے اور روح اس (شب قدر) میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ (ترجمہ مولانا مودودی)

"روح" کی تفسیر تمام مفسرین حضرت جبرئیلؑ سے کر رہے ہیں. مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کے فضل و شرف کی بنا پر ان کا ذکر فرشتوں سے الگ کیا گیا ہے (تفہیم القرآن ۔ جلد ششم) بہر حال جبرئیلؑ کا شب قدر میں آنا قرآن سے ثابت ہو گیا، تو دوسرے موقعوں پر بھی ان کے آنے کا امکان باقی رہا ۔ جب تک دلیل صریحی سے شب قدر کے علاوہ نہ آنا ثابت نہ ہو جائے اور ایسی کوئی دلیل قطعی نہیں ہے جو اس کی نفی کرتی ہو۔ ہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی دلیلوں سے وحی لیکر جبرئیلؑ کا آنا ممنوع ہوگا۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ فضائل صدقات کے قصہ میں وحی لیکر جبرئیلؑ کے تشریف لانے کا ہر گز ہر گز دعویٰ نہیں کیا گیا قصہ کے متصل بعد ہی حضرت شیخؒ نے ایسی عبارت لکھدی ہے جس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے ۔ لیکن فاضل تنقید نگار نے قارئین کو دھوکے میں رکھنے اور اپنے اعتراض کو تقویت پہنچانے کے لئے وہ توضیحی عبارت ہی اڑادی۔ حضرت شیخؒ نے قصہ کے بعد قوسین میں تحریر فرمایا ہے ۔ (یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ نساء کے نویں رکوع میں ہے ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۔ الآیۃ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انعام فرما رکھا ہے ۔ نبیین صدیقین شہداء اور صالحین سے ۔ (فضائل صدقات صـ ۷۹۸) قوسین کی عبارت نے کھول کر یہ بات بتادی کہ جبرئیل علیہ السلام، اللہ کا کوئی حکم، پیغام یا وحی لیکر نہیں آئے تھے ۔ بلکہ انھوں نے قرآن کی مذکورہ آیت کی وجہ سے اپنی طرف سے صرف بشارت سنادی ۔

۵۲ واں دھوکا۔ بعنوان "یہ اعجوبے"

اس عنوان کے تحت فضائل صدقات کے اُن واقعات پر تنقید ہے جن میں بعض بزرگوں کا کم وقت میں ہزاروں رکعتیں نمازیں پڑھنا اور ریاضاتِ شاقہ کرنا مذکور ہے یہ واقعات فضائل صدقات کے صفحہ ۴۲۷، صفحہ ۴۲۸ اور صفحہ ۴۳۰ سے لئے گئے ہیں اور ان پر تنقید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

["جبکہ ایک رکعت فی منٹ کے حساب سے اس طرح (دو ہزار رکعتیں پڑھنا) ۳۳ گھنٹے میں ممکن ہے۔ اور شب و روز میں کُل ۲۴ر گھنٹے ہوتے ہیں۔ آخر ۹ گھنٹے مزید کہاں سے آئے۔؟

(ایک مطالعہ) ص ۱۲۴

آگے چل کر آخر میں لکھتے ہیں۔

کیا اس قسم کے اعجوبے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی تربیت یافتہ صحابۂ کرام رض کی زندگیوں میں بھی کبھی نمودار ہوئے؟

(ایک مطالعہ ص ۱۲۴)

[صفحہ ۱۲۳ پر عنوان کے فوراً بعد ہی ان قصوں کو دیو مالائی قصے کہانیوں کا نام دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انھیں انسانی عقلیں قبول کرنے سے قاصر ہیں۔] مؤلف ایک مطالعہ کی ان تمام خرافات کے جوابات گذشتہ صفحات میں دیئے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف چند باتیں دریافت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ (۱) معراج کا واقعہ بھی بہت کم وقت میں پیش آیا تھا۔ کیا انسانی عقلیں اس کو قبول کرنے کے لئے کافی ہیں؟ اگر قبول نہیں کرتیں

توکیا اسے بھی دیو مالائی قصہ قرار دے کر اس کا انکار کردیا جائے گا۔؟

(۲) اولیاء اللہ کے اوقات میں برکت ہونا تسلیم ہے یا نہیں۔؟ (۳) صحابۂ کرام کا اپنی زندگیوں کے محدود برسوں میں پوری دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کردینا اور ساتھ ہی راتوں کو بکثرت نوافل پڑھنا، کئی کئی دن کے مسلسل فاقوں کے باوجود میدانِ جہاد میں شجاعت کے جوہر دکھانا وغیرہ یہ سب باتیں درست ہیں یا غلط؟ اگر درست ہیں تو کیا بعد والوں کے واقعات کے مقابلہ میں یہ زیادہ حیرت ناک نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا یہ بھی اعجوبے اور دیو مالائی قصے ہی ہیں؟

فضائل حج کے بارے میں فریب کاریاں

اوّل بڑے دردمندانہ انداز میں حضرت شیخ کے ارادت مندوں پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ فضائل کی تمام کتب کا تنقیدی مطالعہ کرکے، اِن سے موضوع اور واہی روایتوں اور قصے کہانیوں کو خارج کردیں۔ تاکہ یہ ذخیرہ اُمت کے لئے مفید، نفع بخش ثابت ہو۔

لیکن فاضل تنقید نگار نے یہ نہیں بتایا کہ کونسی روایات اور قصے کہانیوں کو خارج کیا جائے؟ اگر ان سے مراد وہی روایتیں اور قصے ہیں جن پر "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" میں تنقید کی گئی ہے۔ تو ہمیں ان روایات کا موضوع اور قصوں کا واہی ہونا ہی تسلیم نہیں۔ اور ہم اپنے اس دعوے کو ثابت بھی کرچکے ہیں۔ اب تو خود مؤلف ایک مطالعہ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ حق پسندوں کے زمرے میں شامل ہونا چاہیں تو اپنی واہی تنقیدوں سے رجوع کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اقرار و

اعلان کردیں لیکن وہ ہرگز اس کے لیے خود کو آمادہ نہیں پاتے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اِن میں، عجب، خود پسندی، تکبّر، وغیرہ بہت سے باطنی امراض موجود ہیں جو جہاد کی صرف باتیں کر لینے سے تو کسی طرح دور نہ ہو سکیں گے، ہاں خانقاہی تصوف کو اختیار کرنے پر ان امراض سے شفاء کی امید کی جا سکتی ہے۔

۵۳ واں دھوکا بعنوان علماء کو صحابہ پر فوقیت

مؤلف ایک مطالعہ نے یہ نرالا قاعدہ کلیہ ایجاد کیا ہے کہ کسی صحابی کی فقہی رائے کے مقابلے میں کسی دوسرے عالم یا امام کی فقہی رائے کو اختیار کر لینا علماء کو صحابہ پر فوقیت دینے کے مترادف ہے اسی مفروضہ قاعدہ کے پیشِ نظر حضرت شیخؒ کی اس عبارت پر جرح کرتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور وہ حج نہ کرے ..... قسم کھا کر کہدو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔"

(فضائلِ حج ص۳)

حضرت عمرؓ کا یہ مسلک ایک حدیث کے ظاہری الفاظ کی وجہ سے ہے۔ بعض صحابہؓ نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھا لیکن جمہور صحابہؓ نے دوسری روایات کی وجہ سے تارکِ حج پر کفر کا حکم نہیں لگایا بلکہ ایسے شخص کو فاسق کہا۔ صحابہ کے اختلاف ہی کی وجہ سے ائمہ اور علماء کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔

حضرت شیخؒ نے حضرت عمرؓ کا مسلک نقل کر کے لکھا ہے "ممکن ہے کہ ان حضرت عمرؓ کی یہی تحقیق ہو ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ (ایضاً) اس پر جرح کرتے ہوئے حضرت عمر اور صحابۂ کرام کے فضائل پر لمبی بحث کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ [اگر یہ بات واقعی پایۂ ثبوت تک پہنچ رہی ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے نزدیک بلا کسی عذر کے حج نہ کرنے والا یہودی یا نصرانی ہے تو تمام امّت کو اس پر اتفاق کر لینا چاہیئے۔ الّا یہ کہ ارشادِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مختلف نہ ہو۔ علماء اور مفتیوں کی رائے ایک پیسے کے برابر بھی قابلِ التفات نہ ہونی چاہیئے۔ (ایک مطالعہ صٹ ۱۲۶)

قارئین غور فرمائیں کہ تابش صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر صحابہ کی تمام اجتہادی رائیں ماننا بھی اُمّت پر ضروری ہے تو پھر جماعت اسلامی اور اس کے بانی اجتہاد کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بجائے حضرت عمر رضؓ یا کسی دوسرے صحابی کے مسلک کی تحقیق کر کے اسی کو اختیار کریں۔ تراویح کی بیس رکعت باجماعت پڑھنے کا حکم دینے والے حضرت عمر ہی ہیں۔ تمام صحابہ کا اس پر اجماع بھی ثابت ہے، پھر آخر بعض جماعت اسلامی والے آٹھ رکعت تراویح پڑھ کر کیوں مسجد سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں؟ کیا وہ بھی صحابہ کی توہین کرنے والے ہیں۔؟ حق یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی عظمت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے اور ان کے اجتہادات کو کسی دلیل کی وجہ سے نہ ماننا ہرگز ان حضرات کی توہین نہیں ہے۔

۵۴ واں دھوکا بعنوان "حضرت آدمؑ کا ہندوستان میں قیام"

فضائل حج صٹ ۳۵ پر حضرت شیخ رحؒ نے لکھا [حضرت آدم علیہ السلام نے ہندستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کیئے۔"] اس پر ناقدِ محترم کو یہ اعتراض ہے کہ [کاش حضرت مؤلف نے عبارت کی اس مقدس جگہ کی بھی نشاندھی کردی ہوتی جہاں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ ذریعہ بھی سپردِ قلم کر دیتے جس سے انھیں یہ بات معلوم ہوئی۔" (ایک مطالعہ صٹ ۱۲۷)

ہم شیخ رحؒ کے وکیل کی حیثیت سے دونوں اعتراض کا جواب لکھتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکال کر ہندوستان میں سراندیپ کے علاقہ میں اتارے گئے تھے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں۔

["اکثر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدم جنت سے نکال کر سراندیپ میں ڈالے گئے کہ جہاں اب تک ان کے آثار و تبرکات پائے جاتے ہیں اور ہزارہا ہندو اور مسلمان اس پہاڑ کی زیارت کو آتے ہیں] ۔ تفسیر حقانی سورۂ بقرہ رکوع ۴) مولانا عبدالحق رح کی اس تفسیر سے یہ تاریخی بات معلوم ہوئی کہ آدم ع جنت سے نکال کر ہندوستان کے ایک علاقہ میں اتارے گئے تھے۔ جب ہندوستان میں آپ کا اترنا معلوم ہوگیا تو یہاں سے حج کے لیے ایک ہزار مرتبہ پیدل جانا قابل اشکال نہیں رہتا۔ جب انھیں بھارت میں اتارا گیا تو ممکن ہے کہ انھوں نے اللہ کا یہ منشا سمجھا ہو کہ انھیں قیام بھی اسی علاقہ میں کرنا ہے چنانچہ وہ ہر سال ہندوستان سے حج کے لئے جاتے ہوں اور ہند ہی واپس آجاتے ہوں۔

۵۵ واں دھوکا ۔ بعنوان ۔ "حضرت شیخ الحدیث کا ذوقِ شعری"

مؤلف ایک مطالعہ نے فضائل حج سے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ جنہیں حسن و عشق کی باتیں ہیں۔ ان اشعار پر جناب تابش کا دیا ہوا ریمارک یہ ہے [" لیکن اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث سہارنپور نے اپنی یادداشت کے ٹیپ ریکارڈ سے درجنوں ایسے اشعار کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے جنھیں آج کی گئی گذری تہذیب کا ایک آزاد خیال نوجوان بھی لوگوں کے سامنے دہراتے

ہوئے شرم اور جھجک محسوس کرے گا۔" (ایک مطالعہ ص۱۲۷)

تابش مہدی سطور بالا میں یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری جو شیخ المشائخ کے عظیم لقب سے مشہور ہیں۔ حقیقت میں وہ آج کی گئی گذری تہذیب کے آزاد خیال نوجوان سے بھی زیادہ غیر مہذب اور بے حیا، تھے (نعوذ باللہ من ذالک) کیوں کہ آج کا آزاد خیال نوجوان بھی لوگوں کے سامنے اس قسم کے شعر دہرانے سے شرماتا ہے۔ لیکن، شیخ کو انھیں نقل کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔

دیکھئے ایک اچھا خاصا انسان جب الزام تراشیوں اور اتہام بازیوں پر اتر آتا ہے تو اس کا دماغ کیسے عجیب و غریب گُل کھلانے لگتا ہے کہ اپنے دور کا مشہور ترین شیخ الحدیث بھی اسے گندی تہذیب کے عام نوجوان سے بھی بدتر نظر آرہا ہے۔ کاش کہ تابش صاحب حضرت شیخ کے نقل کردہ اشعار پر تنقید کرنے سے پہلے خانقاہی تصوف کی کوئی مستند کتاب کا مطالعہ کر لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ جن اشعار کو عوام حسن فانی اور عشق مجازی پر محمول کرتے ہیں وہی اشعار اولیاء اللہ کے نزدیک جمال خداوندی اور عشق حقیقی پر محمول کر کے پڑھے یا لکھے جاتے ہیں۔ اگر کسی کی رسائی عشق الٰہی تک نہ ہو سکے تو وہ ان اشعار پر وہی خرافات لکھے گا جو مؤلف ایک مطالعہ نے لکھی ہے پھر اس قسم کے اشعار تو مولانا روم ؒ کی مثنوی میں بھی ملتے ہیں کیا وہ بھی بدتہذیب و بے حیا کے لقب سے یاد کئے جائیں گے ؟ (واعجباہ)

۵۶ واں دھوکا بعنوان۔ مشرکانہ عقیدہ اور اس کی تصویب

مصنف ایک مطالعہ تحریر فرماتے ہیں۔

- قبور پرستوں اور شرک پسندوں نے ایک عقیدہ یہ گھڑ رکھا ہے کہ اس دنیا کو

چلانے والا خدا ہی نہیں بلکہ بعض دوسری ہستیاں بھی ہیں جو تصوف کی اصطلاح میں، قطب، غوث، ابدال، شاہ ولایت اور صاحب خدمت کہلاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ خدا تنہا نظام کائنات کو چلانے سے قاصر ہے۔ یہی لوگ ہیں جنکے تعاون سے کاروبار دنیا چل رہا ہے۔ لاریب یہ ایک مشرکانہ عقیدہ ہے اور اس عقیدے کو جنم دینے میں خانقاہی تصوف کو بہت کچھ دخل حاصل ہے اور یہ تصوف ایسی چیز ہے جو بظاہر تو اپنے دامن میں تقویٰ و طہارت اور خشیت و للہیت کی بے پناہ دولت سمیٹے ہوئے نظر آتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو خدا و رسول کے احکام سے دور اور بے نیاز کر کے شرک و بدعت کی آلائش میں مبتلا کر دینا ہی اس کا اہم نصب العین ہے یہی وجہ ہے کہ محترم شیخ الحدیث صاحبؒ جیسا عظیم عالم و فقیہ بھی اس کی ظاہر فریبی کا شکار ہونے سے نہ بچ سکا۔ (ایک مطالعہ ص ۱۳۰-ص ۱۲۹)

خانقاہی تصوف کے خلاف دل کا بخار نکالتے ہوئے اور حضرت شیخؒ کی دشمنی سے مغلوب ہو کر بہت سارے بے بنیاد الزامات تصوف و مشائخ پر عائد تو کر دیئے گئے لیکن دلیل نام کی کوئی چیز بھی ذکر نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت شیخؒ کی وہ عبارت بھی ندارد ہے جسمیں یہ باتیں کہی گئی ہوں۔ ناقد صاحب شیخ کی کتب پر تنقید کے لیئے بیٹھے تھے۔ لہٰذا ان کے ذمہ واجب تھا کہ شیخؒ کی وہ عبارت بھی ضرور دیتے جسمیں یہ سب باتیں مذکور ہوں۔ لیکن انھوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کر کے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ تنقید کے نام پر بس اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مثلاً حضرت اسرافیل کے ذمہ قیامت کے دن صور پھونکنے کا کام ہے حضرت میکائیل بارش اور مخلوق کو روزی پہنچانے کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ حضرت عزرائیل

کے ذمہ مخلوق کی روح قبض کرنے کا کام ہے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال نامے لکھنے کے لئے دو فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ قبر میں مردہ سے سوال کرنے پر بھی فرشتے مامور ہیں۔ اور یہ سب باتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ غالباً فرشتوں کی ڈیوٹی کو مان لینا بھی مشرکانہ عقیدہ قرار پائے گا۔ کیوں کہ ناقد صاحب کے نزدیک اس کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے تعاون سے کائنات کا انتظام کر رہا ہے۔ بغیر تعاون کے تنہا نہیں کر سکتا۔؟ ورنہ اہل سنت باوجود فرشتوں کی ڈیوٹیاں تسلیم کرنے کے یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ فرشتے نعوذ باللہ۔ خدا کے معاون ہیں۔ وہ معاون نہیں بلکہ اللہ کے محکوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جس کا حکم دیدیا اس کو بغیر کمی بیشی کے انجام دیتے ہیں۔ سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔ اسمیں یہ بھی ہے کہ انھوں نے تین عجیب کام کیے موسیٰؑ کی تنقید پر انھوں نے یہی کہا کہ وما فعلتہ عن امری۔ میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کردیا ہے۔ اس قصہ سے علماء نے اہل خدمت یا قطب تکوین کی اصطلاح اخذ کی ہے کیونکہ حضرت خضرؑ نے جتنے بھی کام کئے وہ سب تکوینی ہیں۔ ابدال کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے لہٰذا انھیں من گھڑت کہنا قائل کی جہالت پر مبنی ہے۔

۵۷ واں دھوکا بعنوان، ذات پات کی باتیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے فرمادیا کہ الائمۃ من قریش " ائمہ قریش سے ہوں، مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ دوسرے مسئلے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ قریش ہی میں سے ہونا چاہئے۔ اور یہ صرف انہی کی

نہیں تمام اہل سنت کی متفق علیہ رائے تھی۔ (خلافت و ملوکیت ص۱۳۵)

اس حدیث اور اہل سنت کے متفقہ فیصلہ کی وجہ سے حضرت شیخ رح لکھتے ہیں۔ "[جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار، سمجھدار، تجربہ کار، متحمل مزاج جفاکش متواضع کو امیر قافلہ بنالینا چاہیئے، قریشی ہو تو افضل ہے

(فضائل حج ص۶۴)

حضرت شیخ رح نے سنت و اجماع کیوجہ سے قریش کی سرداری کو افضل کہدیا تو مؤلف ایک مطالعہ غصّے میں آگئے، اور لکھدیا کہ "کتاب و سنت سے اس کی کوئی سند نہیں ملتی"۔ کیا اسی علم پر تنقید کا دعویٰ ہے؟ اِنَّا للہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔ مولانا مودودی مرحوم نے قریش کی سرداری کو اہل سنت کا متفق علیہ فیصلہ قرار دیا۔ تابش مہدی کے نزدیک یہ درست نہیں چنانچہ وہ اپنے گرو گھنٹال کے فتوے کی رو سے اہل سنت سے خارج ہو رہے ہیں۔

۵۸ واں دھوکا "بعنوان" "اہمیت جہاد پر ایک اور حملہ"

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں۔

(" طاوس کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے۔ اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار، شب بیدار اور مجاھد فی سبیل اللہ ہو"۔ (فضائل حج ص۷۷)

مؤلف ایک مطالعہ کو یہ جملہ اس لئے بُرا معلوم ہو رہا ہے کہ اسمیں بیت اللہ کے دیکھنے کو مجاہد کے عمل سے بھی افضل کہا گیا ہے حالانکہ ان کے اور جماعت اسلامی کے مسلک میں جہاد ہی سب سے افضل عمل فرض کر لیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ہم بہت تفصیل سے گذشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں۔ اس لیے بار بار اس کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف

یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کا یہ مسلک ہی غلط ہے کہ جہاد تمام اعمال سے افضل ہے۔ احادیث میں دیگر بہت سے اعمال کو جہاد سے افضل کہا گیا ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ نماز افضل الاعمال ہے کسی وقتی ضرورت کے تحت جہاد افضل ہو جائے وہ دوسری بات ہے لیکن دائمی طور پر نماز وغیرہ ہی افضل رہے گی کیوں کہ دین کی بنیاد ہی ان پر ہے۔

۵۹ واں دھوکا بعنوان'

حضرت عمرؓ کا عمل لائقِ تقلید ہونا چاہیئے

اس عنوان کے تحت فضائل حج سے حضرت عمرؓ کا لوگوں کے عقائد کی حفاظت کے لیے وہ درخت کاٹنے کا ذکر کیا جس کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی کہ لوگ اس کے پاس برکت کے طور پر جانے لگے تھے۔ اور پھر ناقدِ محترم نے مطالبہ کیا کہ [دارالعلوم دیوبند کی مسجد چھتہ کا انار کا وہ درخت کٹوا دیا ہوتا جس کے نیچے مدرسہ دارالعلوم کا آغاز ہوا تھا اور جسے پورا حلقہ' دیوبند اسی عظمت و تقدس کی نظر سے دیکھتا ہے جس سے لوگوں نے اس درخت کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ جسے حضرت عمرؓ نے کٹوا دیا" (ایک مطالعہ ص۱۳۲)

معلوم نہیں بیعت رضوان والے درخت اور انار کے درخت میں تابش صاحب کو کیا مناسبت نظر آ رہی ہے جو وہ اس کو کٹوانے پر مُصر ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند شرک و بدعت کو زندہ کرنے والا نہیں بلکہ ان کو مٹانے والا ہے ہم نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا ہے کہ دارالعلوم میں انار کے درخت کو " بُت " ہرگز ہرگز نہیں بنایا گیا ہے۔ پھر یہ شرک کیسے ہو گیا۔

۶۰ رواں دھوکا۔ بعنوان " مُغَالُطَہ "

ناقدِ محترم لکھتے ہیں [" صہ ۸۶ پر شیخ الحدیث صاحبؒ نے تفصیلاً بتایا ہے کہ آبِ زمزم کو جس مقصد کے لیے پیا جائیگا وہ پورا ہوگا۔ اور اس دعوے کی تائید میں جو حدیث نقل کی ہے اس کے نیچے (عربی میں) یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل، موضوع اور مردود ہے۔ (اتنا لکھنے کے بعد اس سے نتیجہ اخذ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے

[قارئین بتائیں کہ اس صورت میں کیا یہ باور کرنا کوئی بیجا بات ہوگی کہ موصوف نے دانستہ تبلیغی نصاب کے ذریعہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی سعی فرمائی ہے۔]

(ایک مطالعہ صہ ۱۳۳)

یہ فضائل حج کے صہ ۸۶ پر نقل کردہ حدیث پر تنقید رہے ہم نے جب یہ صفحہ نکال کر حدیث اور اس کے متعلق عربی میں لکھی ہوئی شیخ کی تحقیق پڑھی تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اور ہمیں یقین کرلینا پڑا کہ یہ بلاشبہ مغالطہ ہی ہے اور تابش مہدی کا عنوان بالکل درست ہے لیکن مغالطہ دینے والے خود فاضل تنقید نگار ہیں حضرت شیخ رح نہیں۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیئے حدیث کا متن، تحقیق اور ترجمہ لکھنا ناگزیر معلوم ہورہا ہے۔

حدیث۔ عن جابرؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ماء زمزم لما شرب له۔

ترجمۂ شیخ۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔

تحقیق حدیث رواہ ابن ماجہ وبسط صاحب الاتحاف فی تخریجہ وقال شیخنا الشاہ عبدالغنیؒ ھذا الحدیث مشھور علی الالسنۃ کثیرًا واختلف الحفاظ فیہ فمنھم من صححہ ومنھم من حسنہ ومنھم من ضعفہ والمعتمد الاول اھ وقال ابن حجر فی شرح مناسک النوویؒ قد کثر کلام المحدثین فی ھذا الحدیث والذی استقر علیہ محققیھم انہ حسن او صحیح وقول الذھبی انہ باطل وابن الجوزی انہ موضوع مردود ۔ ۸۱

ترجمہ :۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔ صاحب اتحاف نے اپنی تخریج میں طویل بحث کی ہے۔ ہمارے شیخ شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث زبانوں پر بہت مشہور ہے۔ حفاظ حدیث کے بارے میں اختلاف ہے بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان میں قابلِ اعتماد پہلا قول (یعنی حدیث کے صحیح ہونے کا) ہے۔ مناسک نوویؒ کی شرح میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس حدیث پر بہت کلام کیا ہے۔ ان سب میں تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث حسن یا صحیح ہے۔ اور ذہبیؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث باطل ہے۔ ابن جوزیؒ اس کو موضوع اور مردود قرار دیتے ہیں۔ (فضائل حج ص۸۴-ص۸۵)

دیکھئے اس طویل تحقیق میں شیخؒ نے اول یہ ثابت کیا ہے کہ شاہ عبدالغنیؒ حافظ ابن حجر مکیؒ اور دوسرے بعض محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ اور تحقیقی بات بھی یہی ہے۔ اس کے بعد حافظ ذہبی اور ابن جوزی کی رائے بھی لکھدی کہ ان کے نزدیک حدیث باطل، موضوع اور مردود ہے۔ جناب تابش صاحب نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے تحقیقی قول کو تو چھوڑ دیا۔ اور صرف آخری جملہ لے لیا۔

جس سے حدیث کا باطل ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑا کوئی مغالطہ ہوسکتا ہے ؟ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ مؤلف ایک مطالعہ کو " فن مغالطہ " میں بڑی مہارت حاصل ہے اور اسی فن کا مظاہرہ انھوں نے اپنی پوری کتاب میں کیا ہے۔

اکسٹھواں ۶۱ دھوکا " زیارتِ مدینہ "

حضرت شیخ رح کا اقتباس جو مؤلف ایک مطالعہ نے پیش کیا ملاحظہ فرمائیے

[روضۂ رسول کی زیارت افضل ترین عبادت ہے۔ اعلیٰ درجہ تک پہونچنے کا وسیلہ ہے اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے۔ بلا کسی عذر کے زیارت نہ کرنا ظلم ہے اور جفا ہے (ایک مطالعہ صـ۱۳۲ - صـ۱۳۳]

یہ اقتباس مؤلف ایک مطالعہ نے فضائل حج صـ۹۴ کے حوالے سے لکھا ہے۔ ہم نے جب یہ صفحہ نکال کر دیکھا تو اسمیں آٹھویں فصل میں زیارتِ مدینہ کے عنوان کے تحت یہ عبارت ملی۔

[ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور عالم فقیہہ محدث حنفی ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ چند حضرات کے علاوہ جنکا خلاف کچھ معتبر نہیں بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اہم ترین نیکیوں میں ہے اور افضل ترین عبادات میں ہے اور اعلیٰ درجات تک پہونچنے کے لئے کامیاب ذریعہ اور پُر امید وسیلہ ہے۔ اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے بلکہ بعض علماء نے واجب کہا ہے۔ اس شخص کیلئے جس میں وہاں حاضری کی وسعت ہو اسکا چھوڑنا بڑی غفلت اور بہت بڑی جفا ہے (فضائل حج صـ۹۴)] حضرات ناظرین دونوں عبارتیں غور سے دیکھیں گے تو انھیں بڑا لفظی فرق نظر آئیگا۔ جس نے اس عبارت کے مفہوم ہی کو بدل کر رکھ دیا شیخ رح نے

زیارت افضل ترین عبادات میں ہے۔ لکھا ہے۔

محترم تابش صاحب نے اس پوری تحقیقی بحث پر تو کوئی توجہ نہ دی بس درمیان سے ہی حضرت شیخؒ کے چند جملے لیتے گئے حتیٰ کہ احادیث تک کو شیخؒ کا قول بتا دیا۔ چنانچہ حضرت شیخؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

[ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص زیارتِ روضۂ رسول کریگا درحقیقت وہی شفاعت کا مستحق ہوگا اور جس نے روضہ کی زیارت کی اس نے گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ان کی زندگی میں کی۔ (ایک مطالعہ) ص ۱۳۴ بحوالہ فضائل حج] [بغیر صفحہ کے حوالے کے] ان اقوال کی نسبت حضرت شیخؒ کی طرف کی جارہی ہے حالانکہ یہ دو حدیثیں ہیں جو فضائل حج ص ۹۷-۹۶ پر متن کے ساتھ نقل کی گئیں ہیں معلوم نہیں آں محترم نے قولِ رسول کے ساتھ یہ فریب کاری کیوں کی۔

روضۂ رسول ص کی زیارت کے متعلق اگرچہ حضرت شیخؒ نے آٹھویں فصل میں بہت تفصیل سے کلام کیا ہے لیکن ہم بھی یہاں اس سے متعلق کچھ بحث کرتے ہیں علمائے نجد جن کو بریلویوں کی زبان میں وہابی کہتے ہیں ان کے نزدیک قبر رسول ص کی زیارت حرام ہے (الشہاب الثاقب ص ۴۶، مصنف مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ) تابش مہدی صاحب کا بھی یہی مسلک ہے چنانچہ وہ رقم طراز ہیں۔ جبکہ زیارت روضہ رسول ص نہ تو واجب ہے اور نہ فرض اور نہ کتاب وسنّت ہی میں اس قسم کا کوئی حکم موجود ہے۔ (ایک مطالعہ ص ۱۳۴)

اس کے بعد انھوں نے ابن تیمیہؒ کے القاعدۃ الجلیلہ ص ۹۷ اور الجزء السابع من الفقہ جلد ۲ ص ۲۹ تا ص ۳۵ کے دو اقتباس محدث عصر علامہ شیخ ناصر الدین البانی کی کتاب سلسلۃ احادیث الضعیفہ والموضوعہ واثرھا السیئۃ علی الامۃ ص ۶۲ تا ۶۴

کے حوالے سے ان حضرات کا مذہب زیارت روضۂ رسول کے عدم جواز کا لکھ کر اسی کو راجح قرار دیا ہے اور یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ اس کے متعلق جتنی بھی حدیثیں ہیں ان سب کو ابن تیمیہؒ نے نہایت درجہ ضعیف بتایا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے متعلق حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی ایک محققانہ بحث قارئین کے سامنے رکھدی جائے۔ معارف الحدیث جلد چہارم کے ص ۲۶۴ پر ایک حدیث شریف ہے، جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ ص ۲۹۶ ص ۲۹۵ پر تشریحی حاشیہ میں مولانا موصوف فرماتے ہیں [شیخ تقی الدین سبکی شافعی رحنے اپنے رسالہ "شفاء السقام" میں، (جو انھوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سب سے پہلی حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کی یہی حدیث ہے۔

"من زار قبری وجبت له شفاعتی" پھر شیخ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبد اللہ عبد الہادی حنبلی نے "شفاء السقام کے جواب" الصارم المنکیؒ میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کرکے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبر نبویؐ کی زیارت از قبیل قربات و مستحبات اور موجب برکات ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے اور جو لوگ ان کی طرف اسکے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخ پر افترا کرتے ہیں بلکہ انھوں نے ابن تیمیہؒ

کے مناسک کے حوالے سے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے آداب و محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے۔ جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائرین ہی کے لئے لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔

ولہ طرق وشواھد حسنہ الذھبی لاجلھا۔ (شرح شفاء ملا علی قاری ص۱۴۹ جلد ۲) ترجمہ: اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواھد ہیں جنکی وجہ سے اس کو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے] مولانا نعمانی مدظلہ العالی کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہؒ کی طرف روضۂ رسولؐ کی زیارت کے ناجائز ہونے کا مسلک نقل کرنا باطل ہے۔

افسوس کہ تابش صاحب نے بلا تحقیق کے شیخ ابن تیمیہؒ کی طرف غلط چیز کو منسوب کر کے ان کے شاگرد حافظ ابو عبداللہ عبدالہادی حنبلی کے قول کے مطابق شیخ ابن تیمیہؒ پر افتراء باندھا ہے۔

مکّہ افضل ہے یا مدینہ

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مکہ اور مدینہ دنیا کے تمام مقامات سے افضل ہیں لیکن ان دونوں میں کس کو زیادہ فضیلت ہے اس میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک مکّہ کو مدینہ پر فضیلت حاصل ہے لیکن جو حضرات مدینہ کو مکّہ پر ترجیح دیتے ہیں وہ بھی اکابر علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت عمرؓ اور امام احمدؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ یہ حضرات دلیل میں جو احادیث پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ کر لی جائیں۔

(۱) حضور کا ارشاد ہے کہ مجھے ایسی بستی میں بسنے کا حکم کیا گیا جو ساری بستیوں کو کھالے لوگ اس بستی کو یثرب کہتے ہیں اسکا نام مدینہ ہے وہ بُرے آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

بخاری ص ۲۵۲ ج ۱ (مسلم ص ۴۴۴ ج ۱) مشکوٰۃ ص ۲۳۹

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ جتنی برکتیں آپ نے مکہ میں رکھی ہیں۔ ان سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرما۔ (بخاری ص ۲۵۳ جلد ۱) مسلم ص ۴۴۲ جلد ۱۔ مشکوٰۃ ص ۲۴۰

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ مدینہ کو مکہ سے افضل کہنے والوں کے پاس بھی مضبوط دلائل ہیں۔ اب تابش صاحب کی فریب کاری ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شیخ نے فضائل حج کے ص ۹۴ پر تحریر فرمایا ہے۔

["بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ وہاں (مدینہ میں) قیام کے ارادہ سے چلنا مکہ مکرمہ میں قیام کے ارادہ سے چلنے سے افضل ہے (اس کے بعد مالکیہ کے اس مسلک کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

یعنی حج کی وجہ سے چلنا تو دوسری بات ہے اس کے علاوہ مدینۂ پاک کی طرف چلنا افضل ہے (فضائل حج ص ۹۴]

حضرت شیخ رح نے تو مالکیہ کا مذہب نقل کیا ہے لیکن تابش مہدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے

ہوئے اسکو شیخؒ ہی کا قول بتاتے ہیں حالانکہ حضرت شیخؒ نے ابوحنیفہ اور جمہور کا مسلک یہی لکھا ہے کہ مکہ ہی افضل ہے تفصیل کے لیے فضائل حج کی آٹھویں فصل کا مطالعہ کیجئے۔

غالباً تابش صاحب نے فضائل حج کو آنکھیں بند کرکے پڑھا ہے اسی لئے لکھتے ہیں۔ [لیکن اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں پیش کی۔ سفر قیام مدینہ کا سفر قیام مکہ سے افضل ہونا ایک فریب اور دھوکا ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھے سمجھئے وہ شدید قسم کی گمراہی میں مبتلا ہے۔ ص ۱۳۵ ایک مطالعہ]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تابش صاحب کے نزدیک حضرت عمرؓ امام مالکؒ امام احمدؒ اور تمام وہ علماء جنہوں نے مدینہ کو مکہ پر فضیلت دی۔ وہ سب کے سب فریب کار، دھوکہ باز اور شدید قسم کی گمراہی میں مبتلا رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

باسٹھواں ۶۲ دھوکا بعنوان "ذہن کیا کیا واہمے تخلیق کرتا ہے"!!

[حضرت شیخؒ نے فضائل حج ص ۱۲۸ پر شیخ ابوالخیر اقطعؒ کا واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مسلسل پانچ دن کے فاقہ کے بعد حضور کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے آپؐ کو اور حضرات شیخین کو سلام کیا اور حضور سے عرض کیا کہ میں آج رات کو آپ کا مہمان بنوں گا اس کے بعد وہ منبر شریف کے پیچھے سو گئے تو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ رضی اللہ عنہم کی زیارت ہوئی حضور نے انھیں ایک روٹی عطا فرمائی انھوں نے خواب ہی میں آدھی روٹی کھالی اور جب آنکھ کھلی تو آدھی ہاتھ میں تھی۔]

ناقد محترم نے اس واقعہ کا صفحہ نمبر نہیں لکھا۔ فضائل حج ص۱۳۳ ابن جلاءؒ کا اسی قسم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے نیز محمد بن ابی زرعہؒ کے واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عالم خواب میں جو کچھ دیا وہ عالم بیداری میں بھی ان کے پاس محفوظ تھا۔ ان تمام واقعات پر جرح کرتے ہوئے تابش مہدی لکھتے ہیں۔ [جب کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے اس دنیا کی کوئی چیز اس دنیا میں آ ہی نہیں سکتی۔" (ایک مطالعہ ص۱۳۶)

اس مقام پر تنقید نگار نے دو دعوی کئے ہیں (۱) آخرت کی کوئی چیز دنیا میں آنا محال ہے۔

(۲) یہ عقیدہ رکھنا کہ آخرت کی چیز دنیا میں آسکتی ہے واہمہ ہے۔

جماعت اسلامی تو خود قرآن کے مطالعہ کی دعویدار ہے تابش مہدی نے بھی اپنی کتاب ایک مطالعہ میں متعدد جگہ یہ دعویٰ کیا ہے معلوم نہیں کہ یہ لوگ قرآن کا مطالعہ کس طرح کرتے ہیں قرآن میں تو صاف طور پر بتا دیا گیا کہ اس دنیا کی چیزیں اس دنیا میں آسکتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

(۱) كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا۔ قال يمريم انى لك هذا۔ قالت هو من عند الله (الآية)

جب کبھی زکریاؑ ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے تو یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتی کہ اللہ کے پاس سے آئیں۔ ترجمہ حضرت تھانویؒ بیان القرآن آیت نمبر ۲۷ (پارہ ۳ سورہ آل عمران)

جلالین شریف میں من عند الله کی تفسیر یاتینی به من الجنة سے کی ہے۔

یعنی جنت سے میرے پاس آتا ہے۔ حضرت تھانویؒ حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ کئی مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت مریم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے موسمی پھل بھیجے جاتے تھے۔ سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں ـــ تفسیر ابن کثیر میں مجاھدؒ عکرمہؒ ۔ سعید بن جبیرؒ ابو الشعثاءؒ ابراہیم نخعیؒ، ضحاکؒ ۔ قتادہؒ ۔ ربیع بن انس، عطیہ او فیؒ اور سُدّیؒ سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی گئی ہے۔ اور اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

(۲) قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ سے مِنَ الْعَالَمِيْنَ تک

ترجمہ: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ، اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد میں سب کے لیے خوشی کی بات ہو جاوے۔ اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنیوالوں سے اچھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم پر نازل کرنیوالا ہوں۔ تو جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کریگا تو میں اس کو ایسی سزا دونگا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

(سورۃ مائدہ پارہ ۷ رکوع ۵ آیت نمبر ۱۱۴ /۱۱۵)

اس آیت میں ایک نبی کی آسمان سے کھانا نازل کرنے کی دعا ہی سے اس کا ممکن ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ کر لینا اس امکان کو قوی تر کر دیتا ہے مولانا تھانویؒ نے ترمذی کے حوالے سے حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت نقل کی ہے

کہ مائدہ (دسترخوان) آسمان سے نازل ہوا اسمیں روٹی اور گوشت تھا۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں" قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع اتارا گیا یا نہیں دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ یہ نازل ہوا ہو، اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سُن کر اپنی درخواست واپس لے لی ہو۔

تفہیم القرآن جلد اول ص۵۱۵ حاشیہ نمبر ۱۲۹

دیکھئے اس جگہ خود مولانا مودودی بھی خوان نازل ہونے کا کم سے کم امکان تسلیم کر رہے ہیں اب موصوف مرحوم نے جو یہ فرمایا کہ خوان کا اترنا دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ یا تو ان کا مغالطہ ہے یا علم کی کوتاہی کیوں کہ عمار بن یاسر کی وہ روایت جو ترمذی شریف جلد ثانی ص۱۳۲ پر ابواب التفسیر میں آئی ہے۔ کہ وہ خوان اتارا گیا تھا۔ اس میں روٹی اور گوشت تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزلت المائدۃ من السماء فیہ خبزا ولحما الیٰ آخرہ (ترمذی ص۱۳۲ جلد نمبر ۲)

بہر حال قرآن وحدیث سے مدلل طور پر ثابت ہو گیا کہ تابش صاحب کا یہ دعویٰ صرف غلط ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے متصادم بھی ہے کہ اس دنیا کی کوئی چیز اس دنیا میں آ ہی نہیں سکتی۔

واقعہ یا افسانہ

اس دنیا کی کوئی چیز اس دنیا میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس دعویٰ پر مؤلف ایک مطالعہ نے قرآن وحدیث سے تو کوئی دلیل پیش نہیں کی بس دارالعلوم دیوبند کا ایک واقعہ یا افسانہ لکھ دیا۔ فرماتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ سے کچھ ہی دنوں قبل الہ آباد کے ایک متصوف ڈاکٹر صاحب نے بھی اس طرح کا ایک خواب دیکھا تھا اور بتایا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو رقم خواب میں اس غرض سے دی تھی کہ اس میں سے کچھ رقم اپنے لیے رکھ کر باقی دارالعلوم کے اجلاس صدسالہ کے فنڈ میں دیدوں یہ ہوبہو وہی رقم ہے جو آپ نے مجھے خواب میں دی تھی۔ چنانچہ موصوف دیوبند آئے دارالحدیث میں ان کے اعزاز میں طلباء واساتذہ کا ایک پُرہجوم پروگرام ہوا اور انھوں نے تمام طلباء واساتذہ کے سامنے ایک تھیلے میں وہ رقم ڈالی تبرکاً اور دوسرے حاضرین نے بھی حسبِ حیثیت اس تھیلے میں کچھ نہ کچھ ڈالا لیکن دارالعلوم کے ایک ذی استعداد استاذ حدیث کو یہ بات کھٹکی تو انھوں نے ایک بند کمرے میں ڈاکٹر صاحب کو لیجا کر کتاب وسُنّت کی روشنی میں انھیں ان کے اس واہمہ کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ شیطانی وساوس تھے جس کے چکّر میں وہ آکر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ سکّہ جس پر بھارتی کرنسی کی مہر لگی ہوئی ہے ہوبہو وہی ہے جو خواب میں ملا تھا۔ یہ واقعہ ۷۹ء کے اواخر کا ہے ظاہر ہے کہ یہ پورا واقعہ حضرت شیخؒ تک بھی پہونچا ہوگا۔ کاش محترم نے اس کے بعد ہی اس قسم کے واقعات کو خارج از نصاب کردیا ہوتا۔ (ایک مطالعہ ص ۱۳۶)

اب تک تو ہمیں یہی معلوم تھا کہ صرف صحابۂ کرام ہی عادل ہیں لہٰذا کسی مجہول صحابی کی روایت بھی قابلِ قبول ہوگی لیکن ایک مطالعہ پڑھ کر معلوم ہوا کہ بعد والوں کی بھی مجہول روایتیں کم از کم جماعت اسلامی والوں کے نزدیک قابلِ اعتماد ہیں قارئین غور فرمائیں کہ مذکورۂ بالا واقعہ کی نہ کچھ سند موجود ہے نہ راوی کا پتہ ہے نہ اس ذی استعداد استاذِ حدیث کا نام ہے جنھیں ڈاکٹر صاحب کی بات

کھٹکی تھی نہ کتاب و سنت کی اس روشنی کا تذکرہ ہے جس سے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا کہ یہ شیطانی وساوس تھے نہ یہ معمّہ حل کیا گیا کہ آخر وہ رقم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تھی تو پھر کہاں سے آئی تھی جبکہ واقعہ سے ڈاکٹر صاحب کی بیداری کے بعد بھی رقم کا موجود ہونا ثابت ہو رہا ہے، پھر اگر یہ بات شریعت کے خلاف تھی تو اتنے بڑے دارالعلوم میں جہاں پچاسوں جید علماء اور ہزاروں طلباء موجود ہیں ان کو یہ واقعہ خلافِ شرع کیوں نظر نہ آیا؟

تابش صاحب کا لکھا ہوا واقعہ اگر صحیح بھی ہو تب بھی اس سے اُن کا یہ دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ "آخرت کی چیز دنیا میں آنا محال ہے" گذشتہ صفحات میں قرآن و حدیث کے صریح دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ نہ صرف یہ ممکن ہے، بلکہ واقعی طور پر بھی ایسا ہوا، اور آخرت کی چیزیں دنیا میں آئی ہیں۔ اب تو خود تابش صاحب کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے کیوں کہ انہوں نے مذکورہ دعویٰ کر کے گویا ان تمام آیات و احادیث کا انکار کیا ہے جن میں آخرت کی چیزیں دنیا میں آنے کی خبریں دی گئی ہیں۔

دیوبند میں پیش آمدہ واقعہ صحیح ہونے کی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ خواب کو قرائن کے ذریعہ دارالعلوم کے ان استاذِ حدیث نے کذب بیانی پر محمول کر کے ڈاکٹر صاحب کی اصلاح ضروری بھی ہو گی۔

کاش کہ تابش مہدی "ایک مطالعہ" لکھنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنا یہ قیمتی وقت تحصیل علم میں صَرف کر دیتے تو ان کی دنیا

بھی سنور جاتی اور آخرت بھی۔

علمائے کرام سے درخواست ہے اس کتاب میں جو بات کتاب وسنت کے خلاف نظر آئے اس کی نشاندہی ضرور فرمادیں تاکہ اطمینان ہونے کے بعد اس کی تصحیح کی جاسکے۔

والسلام

احقر عبدالکریم مفتاحی

فون نمبر دکان ۴۳۹۷۶۸
گھر ۲۹۰۸۵
خطیب برار ـــــ اکولہ (مہاراشٹر) انڈیا
پن کوڈ نمبر ـــ ۴۴۴۰۰۱

مآخذ و مراجع

نام کتاب	نام مصنف	ولادت	وفات
القرآن الکریم			
تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ	۷۱۰ سنہ ھ	۷۷۴ سنہ ھ
تفسیر جلالین	امام جلال الدین محلیؒ	۷۹۱ سنہ ھ	۸۶۴ سنہ ھ
	علامہ جلال الدین سیوطیؒ	۸۴۹ سنہ ھ	۹۱۱ سنہ ھ
تفسیر بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۲۸۰ سنہ ھ	۱۳۶۲ سنہ ھ
ترجمہ شیخ الہند	شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ	۱۸۵۱ سنہ ء	۱۹۲۰ سنہ ء
ترجمہ شاہ رفیع الدین	مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ		
تفسیر حقانی	شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ	۹۵۸ سنہ ھ	۱۰۵۲ سنہ ھ
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتیؒ	۱۱۴۳ سنہ ھ	۱۲۲۵ سنہ ھ
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	۱۳۱۴ سنہ ھ	۱۳۹۶ سنہ ھ
تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۳۲۱ سنہ ھ	۱۳۹۹ سنہ ھ
تفسیر قشیری	امام ابوالقاسم عبدالکریمؒ القشیری نیشاپوریؒ	۳۷۶ سنہ ھ	۴۶۵ سنہ ھ
بخاری	امام بخاری محمد بن اسمٰعیلؒ	۱۹۴ سنہ ھ	۲۵۶ سنہ ھ
مسلم	امام مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوریؒ	۲۰۴ سنہ ھ	۲۶۱ سنہ ھ
ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان ابوالاشعث سجستانیؒ	۲۰۲ سنہ ھ	۲۷۵ سنہ ھ
ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	۲۰۹ سنہ ھ	۲۷۹ سنہ ھ

نام کتاب	نام مصنف	ولادت	وفات
نسائیؒ	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی نسائیؒ	سنہ ۲۱۵ھ	سنہ ۳۰۳ھ
ابن ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینیؒ	سنہ ۲۰۹ھ	سنہ ۲۷۳ھ
مستدرک حاکم	امام حاکمؒ محمد بن عبداللہ بن احمد		سنہ ۴۰۵ھ
سنن بیہقی	امام بیہقی احمد بن حسنؒ	سنہ ۳۸۴ھ	سنہ ۴۵۸ھ
جمع الفوائد	علامہ بن محمد بن سلیمان دارانیؒ		سنہ ۳۱۲ھ
دُرِّ فرائد	مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ	سنہ ۱۲۹۸ھ	سنہ ۱۳۶۰ھ
مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری تبریزیؒ		سنہ ۷۴۰ھ
مظاہر حق	مولانا نواب قطب الدین صاحب محدث دہلویؒ	سنہ ۱۲۱۹ھ	سنہ ۱۲۸۹ھ
معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانی دامت برکاتہم		
تبلیغی نصاب	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	سنہ ۱۳۱۵ھ	سنہ ۱۴۰۲ھ
ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم میرٹھی	سنہ ۱۳۱۶ھ	سنہ ۱۳۸۵ھ
مجالس الابرار	شہاب الدین احمد آفندی ابن علی رومی	سنہ ھ	
جامع صغیر	امام جلال الدین سیوطیؒ	سنہ ۸۴۹ھ	سنہ ۹۱۱ھ
حصن حصین	علامہ جزریؒ	سنہ ۷۵۱ھ	سنہ ۸۳۳ھ
رد المحتار معروف شامی	علامہ سید محمد امین المعروف ابن عابدین شامی	سنہ ۱۱۹۸ھ	سنہ ۱۲۵۲ھ
شفاء قاضی	قاضی عیاض مالکیؒ		سنہ ۵۴۴ھ
فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ العالی		
الشہاب الثاقب	مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۷۷ھ

نام کتاب	نام مصنف	ولادت	وفات
رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری		
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب	مولانا اشرف علی تھانوی رح	سنہ ۱۲۸۰ھ	سنہ ۱۳۶۲ھ
التکشف عن مہمات التصوف	" " "	"	"
شریعت اور طریقت	" " "	"	"
زاد السعید	" " "	"	"
کشف المحجوب	شیخ علی بن عثمان الجلابی لاہوری ہجویری	سنہ ۴۰۰ھ	سنہ ۴۶۵ھ
سوانح حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ	مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم		
تصوف کیا ہے !	مولانا منظور نعمانی مولانا علی میاں ندوی وغیرہ		
دلائل الخیرات	محمد بن سلیمان جزولی		سنہ ۸۷۰ھ
مدارج النبوت	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح	سنہ ۹۵۸ھ	سنہ ۱۰۵۲ھ
تکمیل الایمان	" "	"	"
تاریخ دعوت وعزیمت	مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم		
کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے مفصل جوابات	شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رح	سنہ ۱۳۱۵ھ	سنہ ۱۴۰۲ھ
تفہیمات	جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی	سنہ ۱۳۲۱ھ	سنہ ۱۳۹۹ھ
ماہنامہ زندگی کا "پیام مساجد نمبر"	جناب سید عروج قادری	معاصر	
	"	"	
مصباح اللغات	مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی		
فیروز اللغات اردو جدید			
طبرانی	ابوالقاسم سلیمان رح	سنہ ۲۶۰ھ	سنہ ۳۶۰ھ
دار قطنی	امام دار قطنی	سنہ ۳۰۶ھ	سنہ ۳۸۵ھ
مسند احمد	امام احمد بن حنبل	سنہ ۱۶۴ھ	سنہ ۲۴۱ھ
بزار	بزار احمد ابن عمر		سنہ ۲۹۲ھ

Scanned by CamScanner